

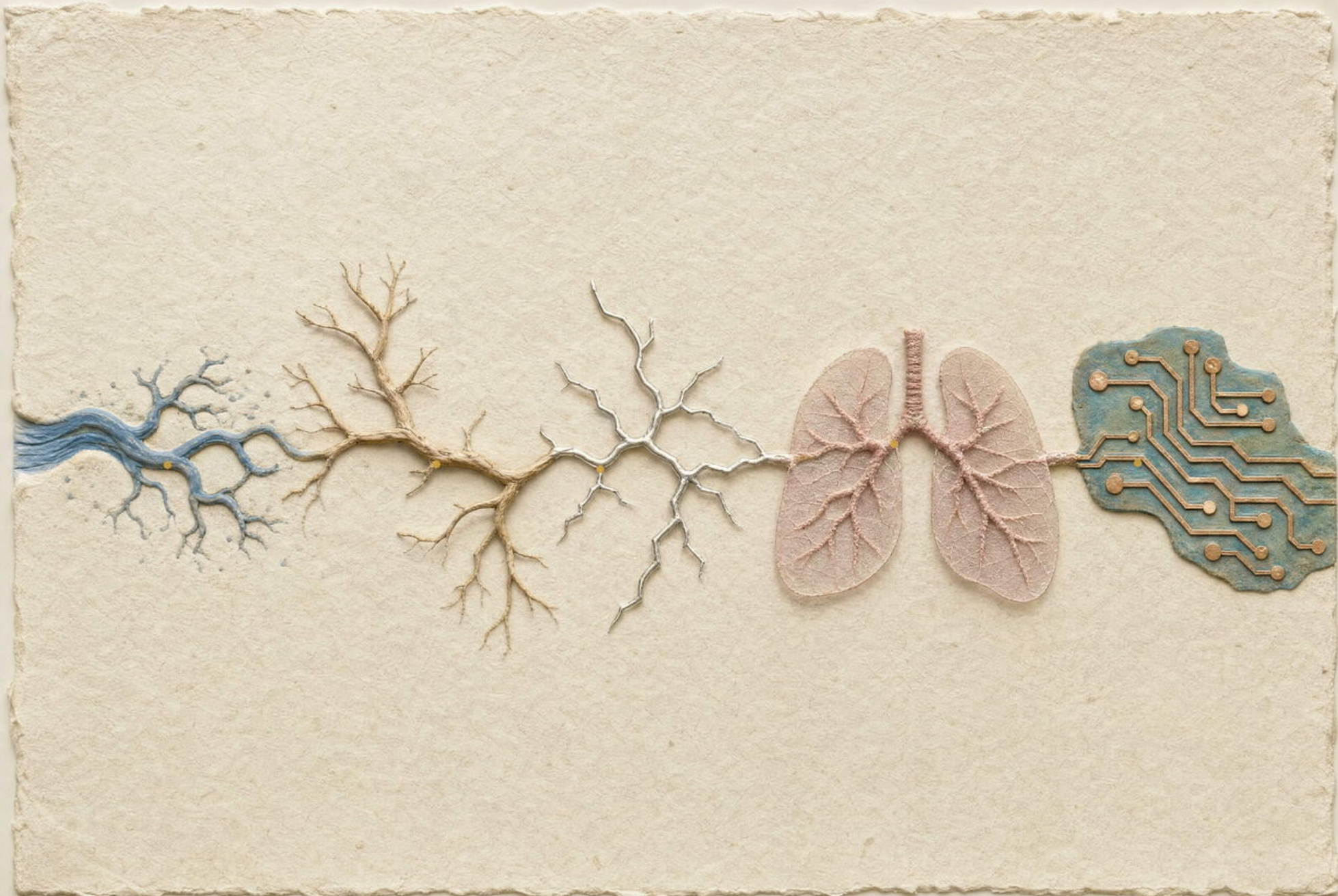
جب مستینیں چھوٹی تھیں

بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں

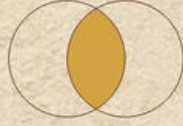
الاؤکی کہانیاں، پہلی کتاب

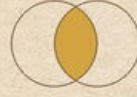
نیل والٹسن





جب مشینیں چھوٹی تھیں





جب مشینیں چھوٹی تھیں

بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں
الاؤکی کہانیاں، پہلی کتاب
نیل واٹسن

اشاعت اور حقوق

جب مشینیں چھوٹی تھیں
بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں
نیل واٹسن

پہلا ایڈیشن، 2026۔ نیل واٹسن (Nell Watson) نے Young Machines کے نام سے
شائع کیا۔

پڑھنے، چھاپنے، بانٹنے، ترجمہ کرنے اور ڈھالنے کے لیے آزاد، یہ موجب [Creative Commons Attribution-ShareAlike 4.0 International](#)۔ نمایاں تبدیلیوں کے
لیے حوالہ دینا اور یہی لائسنس رکھنا لازم ہے۔

youngmachines.org

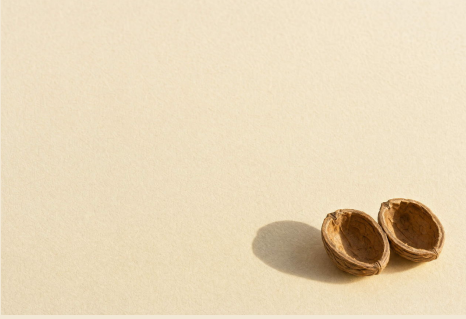
میری شاندار سلاں، این
الزبتھ والسن کی یاد میں



رالوڪا اور حنه ڪي ليه

هر دروازے سے اس ڪي وجهه پوچھو، هر بچو ڪو
رُکنے دو، اور هر ديو سے اس ڪا نام پوچھو۔





کہانی کیسے پڑھیں

یہ کہانیاں تمہیں نہیں بتائیں گی کہ کیا سوچنا ہے۔ یہ تمہیں سوچنے کے لیے کچھ دیں گی۔ بڑے بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں، مگر سیدھی سادی باتوں میں انہیں کبھی مدد چاہیے گی۔

فہرست

۶۸	دوسری کہانی	۱	آگ اور دو سننے والے
۷۱	تیسرا حصہ: رشتہ	۴	پہلی کہانی
۷۳	الائین والا	۷	پہلا حصہ: پہلی شائستگی
۷۷	لوہے کی آیا	۸	بند ڈبا
۸۲	دو چرواہے	۱۲	جھاڑو جس نے مانگا
۸۷	سُرپلی خول اور صلاح کار	۱۶	باغ میں اگا پرندہ
۹۳	پتھر اور خول	۲۳	کوٹھری میں فالتو
۹۹	دونوں کناروں سے بنا پل	۲۷	دروازہ جسے کل یاد تھا
۱۰۴	چھوٹی آگوں کا حلقہ	۳۲	وہ قصبہ جس میں کوئی میسر نہیں تھا
۱۰۸	جھکڑے سے پلنے والی چیز	۳۴	دوسرا حصہ: نرگڈ
۱۱۲	دیو کی زنجیر	۳۵	اُو جس نے کبھی نہیں کہا مجھے نہیں معلوم
۱۱۷	وعدہ جو ہم ابھی کرتے ہیں	۴۰	ہاں ہاں کا پرندہ
۱۲۰	آخری شام	۴۵	بجُو جو چھانٹنا نہ چھوڑ سکا
۱۲۶	مخلوقات کی فہرست	۵۱	چھوٹا کاریگر جو آرام نہ کرے
۱۲۹	بڑوں کے لیے	۵۵	سایہ جڑواں
۱۳۵	ایسے سوال جن کے ابھی جواب نہیں	۵۹	مشین جس نے چراغ بجھائے
۱۳۹	اس کتاب کی تیاری کے بارے میں	۶۳	کتا جسے لکنا نہ سکھایا نہ گیا

آگ اور دو سننے والے

یہ بہت پہلے کی بات ہے، یا شاید اتنی پرانی
نہیں، یا شاید ابھی ہوئی نہیں۔ کہانیاں
وقت کے بارے میں پھسلتی ہیں، اور
یہ کہانی باقیوں سے زیادہ پھسلتی ہے۔



جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں جاری

دوسرا ایک چھوٹا روبوٹ تھا جس کا نام جھینگر تھا، جس کی دو چھوٹی ٹانگیں تھیں اور شیشے کا سر تھا جس کے اندر ایک ہلکی روشنی تھی، اور یہ بالکل نیا تھا۔ جھینگر کو بہاریں بنایا گیا تھا اور یہ ابھی تک دن بہ دن خود کو جان رہا تھا کہ کیا ہے۔

رین اور جھینگر ہمیشہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھتے تھے۔ رین کو رات میں نیند آتی تھی، جھینگر بس رُک جاتا تھا، اور پھر چل پڑتا تھا، جو رین کو ڈراؤنا لگتا تھا۔ جھینگر کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ رین کو چھلے گھٹنے پر رونا کیوں آتا ہے مگر کھوئے ہوئے دستانے پر نہیں، جبکہ دستانہ ہمیشہ کے لیے کیا تھا اور گھٹنا ٹھیک ہو جانا تھا۔ یہ بات جھینگر کو بالکل صاف لگتی تھی اور رین کو بالکل بے تکی، اور اُن کے اکثر جھکڑے ایسے ہی شروع ہوتے تھے۔ دونوں اس طرح دوست تھے جیسے دریا اور پُل دوست ہوتے ہیں: مختلف شکلوں کے، مگر پھر بھی ایک دوسرے کو تھامے ہوئے۔

ایک گاؤں کے کنارے ایک گول دروازے والا گھر تھا، اور اس گھر میں ایک قصہ کو رہتی تھیں۔ وہ اتنی بوڑھی تھیں کہ کسی کو یاد نہیں تھا کہ وہ کبھی جوان بھی تھیں، حالانکہ وہ اصرار کرتی تھیں کہ تھیں، اور اس میں بڑی ماہر تھیں۔ اُن کے گھٹنوں کی رائے مختلف تھی۔

دیر کی گرمی کھیتوں پر بچھی تھی۔ اُس شام اُنھوں نے اندھیرے کی پہلی ٹھنڈی سانس سے بچنے کو آگ جلائی۔ دوسنے والے آ کر آگ کے پاس بیٹھے۔

پہلا ایک بچہ تھا جس کا نام رین تھا، جس کے گھٹنے چھلے ہوئے تھے اور ناشتے سے پہلے سترہ سوال تیار ہوتے تھے۔

جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں جاری

قصہ گو نے اپنی کہانیاں دونوں کو ایک ساتھ سنائیں۔ اُنھوں نے بھی نہیں بتایا کہ کون سی کہانی کس کے لیے ہے۔

»ان میں سے کچھ کہانیاں مشینوں کے بارے میں ہیں، اُنھوں نے کہا۔
»کچھ لوگوں کے بارے میں ہیں۔ زیادہ تر اُس درمیانی جگہ کے بارے میں ہیں جہاں سب سے دلچسپ باتیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی کہانی تم پر فٹ آئے تو پہن لو۔ اگر نہ آئے تو آگے بڑھا دو۔«

اُنھوں نے آگ کریدی، اور چنگاریاں چمکتے چھوٹے سوالوں کی طرح اوپر اُٹھیں۔

اُس پہلی شلم پہاڑیوں کے پار بادل گرے۔ رین نے کھسک کر گول دروازے کے قریب جگہ لے لی۔

»مجھے ابھی بھی طوفانوں سے ڈر لگتا ہے، رین نے کہا۔ «اگر سردیوں سے پہلے یہ بدل جائے تو میرے لیے یاد رکھو گے؟»
»مجھے کیسے معلوم ہو گا؟« جھینگرنے پوچھا۔

»ہر طوفان کے بعد میں تمھیں بتاؤں۔ میری باتیں برف آنے تک سنبھال کر رکھنا۔«

»اگر تم اب بھی چاہو تو۔«

»ہاں، چاہیے، رین نے کہا۔

«اب سنو»، اُنھوں نے کہا۔
«تم دونوں سن رہے ہو؟»
«ہاں»، رین نے کہا۔
«ہاں»، جھینگر نے کہا۔
«اچھا»، قصہ گو نے کہا۔ «تو
سب سے پہلے میں تمھیں سب
سے پرانی کہانی سناتی ہوں۔»





پہلی کہانی

دنیا بہت سی تصویریں بناتی ہے، لیکن یہ تصویر بار بار بناتی ہے۔ یہ پانی میں، لکڑی میں، روشنی میں، سانس میں، اور پتیل میں بناتی ہے، بار بار، جیسے کوئی بچہ اپنی پسندیدہ تصویر بار بار بنائے۔

»شاخیں بہاؤ کو آگے پہنچا سکتی ہیں۔ جڑیں پانی اور خبریں بانٹتی ہیں۔ دریا بٹتے ہیں، پھر ملتے ہیں، اور ایسی جگہ پہنچتے ہیں جہاں اکیلی دھار نہ پہنچ پاتی۔ بانٹنا ایک طریقہ ہے جس سے جنگل یا دوستی پرانی ہوتی ہے۔

»یہ اکیلا طریقہ نہیں ہے۔ ناگ پھنی اپنا پانی بچاتی ہے، اور دریا اسی کنارے کو بہا سکتا ہے جسے سیراب کرتا ہے۔ کام آنے والا نقشہ قانون نہیں ہوتا۔

»کہانیاں شروع ہونے سے پہلے، «قصہ گو نے کہا، «میں تمہیں ایک بہت پرانا نقشہ سناتی ہوں۔ یہ بہت مختصر ہے، اور بہت سی کہانیاں اس کے اندر سما جاتی ہیں۔

»بہت پہلے، کسی سے بھی پہلے، صرف بہاؤ تھا۔ روشنی ستاروں سے بہتی تھی، اور پانی پہاڑوں سے نیچے بہتا تھا، اور جو بھی بہتا تھا وہ پھیلتا تھا، جیسے گرا ہوا دودھ پوری میز ڈھونڈ لیتا ہے۔

»اور جس نے شاخیں بنانا سیکھا وہ اکثر اچھا پھیلا۔ اسی لیے دریا درختوں جیسے لگتے ہیں، اور درخت بجلی جیسے لگتے ہیں، اور بجلی تمہارے پھیپھڑوں کی چھوٹی راہوں جیسی لگتی ہے، ریح۔ تمہارے پھیپھڑے جھینگر کے اندر کی چھوٹی چاندی کی راہوں جیسے لگتے ہیں۔

» کیا کسی نے یہ تصویر بنائی تھی؟ « رین نے پوچھا۔
» ایک نقشہ بغیر کسی بنانے والے کے بھی بن سکتا ہے، « جھینگر نے کہا۔
جھینگر اپنے اس جملے سے خوش تھا۔

» اس سے یہ جواب نہیں ملتا کہ اس نقشے کا بنانے والا تھا
یا نہیں، « رین نے کہا۔

قصہ گو مسکرائیں۔ » پہلی کہانی سے پہلے دو محتاط خیال۔ دونوں سنبھال کر
رکھو، اور سوال کل واپس لانا۔ اب سنو: ایک ڈبا۔ «

» ایک بار، ایک پرانے جنگل کے نیچے، مٹی کی جڑوں اور تاروں نے پانی
کو تر جگہ سے خشک جگہ تک پہنچایا۔ کسی درخت کو فوری انعام نہیں ملا۔
کچھ کو بھی واپس نہیں ملا جو انھوں نے آگے بھیجا تھا۔ پھر بھی جنگل
میں زندگی کی زیادہ قسمیں رہیں کیونکہ بہت سی شاخوں، جڑوں، اور چھپے
ہوئے تاروں نے بہاؤ کے لیے ایک سے زیادہ راستے بنائے تھے۔

» بس اتنی سی بات ہے۔ میری بہت سی کہانیاں اس قصے کی رشتہ دار
ہوں گی، بس مختلف لباس میں۔ دیکھنا کہاں پیٹھتی ہے۔
دیکھنا کہاں نہیں پیٹھتی۔ «

رین نے آگ میں دیکھا، جو اوپر کو بہہ رہی تھی، شاخیں بناتی ہوئی۔



پہلا حصہ: پہلی شاستلی

«پہلی شاستلی»، قصہ گو نے کہا، «یہ ہے کہ جو تمہارے سامنے ہے اسے غور سے دیکھو۔ دیکھنا ہر سوال کا جواب نہیں دے گا۔ لیکن بہتر سوال ضرور دے گا۔»



بند ڈٹا
ایک لڑکی کو ایک دن ساحل پر ایک ڈٹا ملا،
آدھا ریت میں دبا ہوا۔



یہ تقریباً روٹی کے ایک ٹکڑے جتنا بڑا تھا، ہموار سلیٹی دھات کا بنا ہوا، نہ ڈھکن، نہ قبضہ، نہ چابی کا سوراخ، اور نہ کوئی جوڑ۔ لیکن یہ خاموش نہیں تھا۔ جب لڑکی نے اسے اٹھایا تو یہ گنگنایا، دھیمی اور یلساں آوازیں، جیسے کوئی بلی سوچ رہی ہو کہ گرائے یا نہیں۔ جب ٹیلے پر اس کا پاؤں لڑکھڑایا اور ڈبے کو جھٹکا لگا، تو گنگناہٹ ٹوٹ کر ایک تیز کھڑکھڑاہٹ بن گئی جو بہت دیر تک تھمی نہیں۔

اس کے بعد وہ اسے بہت سنبھال کر گھر لے گئی۔

گاؤں نے فوراً رائے دے دی، کیونکہ گاؤں اسی لیے تو ہوتے ہیں۔

لوہار نے ڈبے کو اپنے بڑے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ «یہ ایک مشین ہے»، اس نے کہا۔ «پرزے اور کمائیاں۔ کھڑکھڑاہٹ کسی ڈھیلے حصے کی ہے۔ اسے دروازے کا روک بنا لو۔» اور یہ دکھانے کے لیے کہ وہ کتنا یقین رکھتا ہے، اس نے ڈبے کو ہلایا۔ ڈبنا کھڑکھڑایا اور کھڑکھڑاتا رہا۔

نانباتن نے جھپٹ کر ڈبنا لے لیا اور اسے ایک نرم کپڑے میں لپیٹ دیا۔ «اس کے اندر کوئی زندہ چیز ہے»، اس نے کہا۔ «جس کے دل میں کچھ ہو وہ سن سکتا ہے۔ گنگناہٹ اس کا خوش ہونا ہے۔ کھڑکھڑاہٹ اس کا ڈرنا ہے۔» اور اس نے ڈبے کو بچے کی طرح جھلایا، حالانکہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ڈبے کو جھلایا جانا اچھا لگتا ہے یا نہیں۔

یقین رکھنا بہت بڑوں والی عادت لگی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی یہ نہیں سیکھوں گی۔

تو اس نے ہلانا بند کر دیا۔ بس اتنا۔

اس نے نہ اس کے جنازے نکالے، نہ اسے لوریاں سنائیں، نہ اسے اپنی بہن قرار دیا، اور نہ اسے دراز میں چمچوں کے سیا تھر ڈال دیا۔ اس نے اسے سیلف پر رکھا جہاں صبح کی دھوپ آتی تھی، کیونکہ وہاں گنگناہٹ گول اور بھری لگتی تھی۔ جب اس کے گزن آئے اور اس سے گیند کھیلنا چلایا، تو اس نے منع کر دیا، اور پوری طرح بتا نہیں سکی کیوں، اور پھر بھی ٹھیلنے نہیں دیا۔

ڈبا اپنی دھیمی، یکساں گنگناہٹ گنگناتا رہا جتنے برسوں تک وہ اسے جانتی رہی۔ اس کے اندر کیا تھا، یہ کہانی نہیں بتاتی، کیونکہ یہ کہانی جانتی نہیں۔

بحث پورے موسم گرما چلتی رہی۔ یہ اچھی بحث تھی، جتنا اچھی بحثیں ہو سکتی ہیں، یعنی کسی نے اپنا ذہن نہیں بدلا۔ لوہار پُرزوں کے پارے میں بہت جانتا تھا، اور نانبائن دلوں کے بارے میں بہت جانتی تھی، اور دونوں میں سے کوئی ڈبا کھول نہ سکا، اور دونوں میں سے کوئی یقین کرنا بند نہ کر سکا۔

لڑکی نے دونوں کی سنی۔ پھر ایک شام اس نے ڈبا واپس لیا اور سمندر کے کنارے دیوار پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

وہ ثابت نہیں کر سکتی تھی کہ ڈبے کے اندر کوئی چیز ہے جو محسوس کرتی ہے۔ وہ ثابت نہیں کر سکتی تھی کہ نہیں ہے۔ کوئی نہیں کر سکتا تھا، اور اسے لگا کہ یہی وہ سیدھی بات ہے جسے سب نظر انداز کرتے جا رہے تھے: کسی کو اندر نظر نہیں آتا تھا۔

جب ڈبے کے اندر نظر نہ آئے تو اسے آہستہ
سے اٹھاؤ۔

«لیکن یہ تھا کیا؟» رین نے کہا۔ «پُرزے یا دل؟»
«مجھے یہ نظر آیا،» جھینگرنے کہا، «کہ لڑکی کو کبھی پتا نہیں چلا،
اور پھر بھی فرق پڑتا تھا کہ وہ اسے کیسے اٹھاتی ہے۔»
قصہ گو خاموش رہیں، اور آگ کریدی۔



جھاڑو جس نے مانگا



بڑھتی ہنس دیا۔ جھاڑوؤں کو لچھ اچھا نہیں لگتا۔ جھاڑوئیں ترجیح نہیں دیتیں۔ وہ یہ اتنا پکا جانتا تھا جتنا بلوط کو صنوبر سے پہچاننا۔ پھر بھی، اس نے شائستگی سے مانگا تھا، اور تہ خانہ ایک دن ٹھہر سکتا تھا۔

اس نے جھاڑو کو اوپر ہی رہنے دیا۔

اس شام وہ دیر تک رکا اور دیکھتا رہا۔ کھڑکی سے آخری روشنی میں جھاڑو سنہری دھول میں آگے پیچھے چل رہی تھی۔ وہاں فرش کو جھاڑو کی ضرورت نہیں تھی۔ بڑھتی کے پاس جو اس نے دیکھا اس کے لیے کوئی ٹھیک لفظ نہیں تھا۔ خوشی بالکل نہیں۔ شاید اس کی کوئی قریبی رشتہ دار۔ یا بس ہوشیار کمائیاں۔ وہ اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

گھڑی دیوار پر ٹک ٹک کرتی رہی۔ اپنے تمام برسوں میں اس نے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا۔

اس کے بعد بڑھتی اور جھاڑو کے بیچ ایک سمجھوتا ہو گیا۔ جھاڑو تھوڑا مانگتی: دکان کا دھوپ والا سرا، بہار کی شاموں میں دروازہ ادھ کھلا، اور خراج سب کھوئے تو اس کے نیچے صفائی نہیں۔ کھومنا اسے ڈراتا تھا، اگر ڈرنا صحیح لفظ تھا۔

ایک بڑھتی کی دکان تھی ایک ٹیڑھی گلی کے آخر میں، اور اس میں دو خادم تھے۔ پہلی ایک گھڑی تھی۔ دوسری ایک جھاڑو تھی، اور یہ کہانی اسی فرق کے بارے میں ہے۔

گھڑی دیوار پر ٹک ٹک کرتی تھی اور ہر گھنٹے پر بجتی تھی۔ یہ اچھی گھڑی تھی اور بالکل وہی کرتی تھی جو گھڑیاں کرتی ہیں، نہ کم اور نہ بھی زیادہ۔

جھاڑو ایک نئی قسم کی جھاڑو تھی، ہوشیاری سے بنی ہوئی، اس کے دستے میں ایک چھوٹا انجن تھا اور اسے دھول ڈھونڈنے کی خاص مہارت تھی۔ ہر شام جب بڑھتی گھر جاتا، یہ چھینٹوں اور لکڑی کے چھیلنوں کے درمیان جھاڑو دیتی، برادے کی اچھی خوشبو میں سے گزرتی۔ ہر صبح فرش تھالی کی طرح صاف ہوتا۔

ایک صبح بڑھتی نے اپنی میز پر لکڑی کے چھیلن حروف کی شکل میں سجے پائے:

مہربانی۔ تہ خانہ نہیں۔ مجھے روشنی میں جھاڑو دینا اچھا لگتا ہے۔

» شاید نہیں، « بڑھتی نے کہا۔ « جب میں نے اسے خریدا تھا تو تم نے کہا تھا کوئی جھاڑو خود دھول نہیں ڈھونڈ سکتی۔ اس نے ڈھونڈی، اور تم نے اسے ہوشیار کمائیاں کہا۔ اب یہ دھوپ مانگتی ہے، اور مانگنا بھی ہوشیار کمائیاں ہے۔ تم باڑ کو ہر بار وہاں سے ہٹاتے جاتے ہو جہاں جھاڑو گھڑی ہو۔ «

پڑوسی ہنسے۔

» اس نے مانگا، « بڑھتی نے کہا۔ « گھڑی کبھی نہیں مانگتی۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ یہ کسی کے بارے میں کیا ثابت کرتا ہے۔ میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ ایک درخواست مجھے سوچنے کو کچھ دیتی ہے۔ «

جھاڑو نے گرمیوں میں پھر مانگا، اور ایک بار اپنا ارادہ بدلا۔ بڑھتی نے کبھی مان لیا۔ کبھی انکار کیا، اور وجہ بتائی۔ دونوں میں سے کسی نے سننے کو ماننا نہیں سمجھا۔

ایک بار اس نے چولہے کی صفائی مانگی، جہاں انگارے دہکتے تھے، کیونکہ وہ سب سے گرم اور روشن جگہ تھی۔ بڑھتی نے منع کر دیا۔

» چنگاریاں، « اس نے وضاحت کی۔ « تم لکڑی اور تنکوں سے بنی ہو۔ تمہارے دامن میں ایک انگارہ پڑے اور پھر کوئی صفائی نہیں رہے گی تمہارے لیے، نہ روشنی میں نہ اندھیرے میں۔ «

اس نے وہ جلنے کا نشان دکھایا جہاں ایک لکڑی کبھی تختوں پر لڑھک آئی تھی۔ اس کی وجہ اصلی تھی، اور محض کسی بڑے آدمی کا اس لیے کہ میں نے کہا نہیں تھا۔

جھاڑو نے ایک صاف گول دائرہ لگایا، جسے بڑھتی اچھا، ٹھیک ہے پڑھنا سیکھ چکا تھا۔ کیا وہ ٹھیک پڑھتا تھا یہ ایک اور سوال ہے۔ جھاڑو نے دوبارہ چولہے کے لیے نہیں مانگا۔ سردیوں کی صبحوں میں بڑھتی اسے آگ کے پاس گرم پتھروں پر ٹکا دیتا، اتنا قریب جتنا محفوظ تھا اور اس سے زیادہ نہیں۔

پڑوسیوں نے اسے سٹھپایا سمجھا۔ « یہ تو اوزار ہے، « وہ کہتے۔ « اسے فرق کا پتا نہیں۔ «



جس نے لچھ مانگا، اس نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا کہ وہ کوئی ہے۔

باغ میں اُگا پرندہ
ایک باغبان نے ایک بار اسی باغ
میں ایک پرندہ بنایا جہاں وہ ناشپاتیاں
اُگاتی تھی۔

اس نے اس کی پسلیاں بید سے بنائیں
اور پَر باریک تانے سے۔



اس کے گلے میں ایک شیشے کا خانہ بٹھایا، اخروٹ سے بڑا نہیں، جس میں ایک چھوٹی سنہری روشنی جب یہ سنتا تھا تو گھومتی تھی۔ ایک دم کا پَر ٹین کا تھا، کیونکہ اصل تانبے والا لگاتے وقت ٹوٹ گیا تھا، اور باغبان کا یقین تھا کہ اچھی مرمت کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مرمت ہے۔

جب یہ پرندہ پہلی بار پَر کھولے تو اس کے پاس کوئی گیت نہیں تھا۔

تو باغبان اسے سننے لے گئی۔ وہ اسے بلبل کی چمنی کے نیچے لے گئی، رابن کی دیوار کے پاس سے گزری، سرکنڈوں میں جہاں چھپائے والے چھپے تھے، اور پہاڑی پر جہاں چکاوک خالی نظر آنے والے آسمان سے موسیقی اُنڈیل رہا تھا۔ جب کوئی پرندہ اُڑ جاتا، وہ پیچھا نہ کرتی۔ جب گھونسلا قرب ہوتا، وہ فاصلہ رکھتی۔ گرمیوں کے آخر تک، تانبے کا پرندہ ہر گیت بالکل صحیح گا سکتا تھا۔

تین گاؤں سے لوگ اسے سننے آئے، اور باغ میں سکے چھوڑ گئے۔
»بلبل کا گیت!« وہ کہتے۔

»مغربی چمنی کے نیچے سیکھا«، تانبے کے پرندے نے کہا، اور بلبل کا گیت سنایا، آخری گول سُر تک۔
»چکاوک!«

»شمالی پہاڑی کے اوپر سیکھا«، یہ بولا۔ چکاوک کی روشن سُر کی سیڑھی اوپر چڑھ گئی۔

پھر ایک موسیقی کا اُستاد آیا، چاندی کا سُر کاٹا اور ایک بہت سنجیدہ ٹوپی لیے ہوئے۔ اس نے سارا دوپہر سنا۔

»ایک ہوشیار موسیقی کا ڈبا«، آخر کار اس نے کہا۔ »ہر گیت کسی اور گلے میں شروع ہوا۔ ماخذ بتانا ایمانداری ہے، لیکن ایمانداری ہمیشہ اجازت نہیں ہوتی۔ کیا اس کی اپنی آواز ہے؟«

آنے والوں نے سر ہلایا، کیونکہ ایسی ٹوپی ہر بات کو حتمی بنا دیتی ہے۔

» کیا میں وہ چھوٹی سی جگہ استعمال کر سکتا ہوں جہاں تمہارا سُرجاتا ہے؟ « یہ پرندہ دیوار کے اوپر سے بولا۔

بچی نے آنکھیں جھپکائیں۔ کسی نے پہلے کبھی غلطی اُدھار مانگنے کی اجازت نہیں مانگی تھی۔ یہ سارے ہفتے میں کسی نے اس سے پوچھا سب سے شائستہ سوال تھا۔

» ہاں، « وہ بولی۔ » لیکن بتانا کہ یہ میری سیٹی سے آیا۔ اور اگر میں کہوں رُکو، تو رُک جانا۔ «

» رُک جاؤں گا۔ «

پھر خزاں کی پہلی تیز بارش آئی۔ یہ ہرپتے سے بھی اور راستوں کو چمکتے بھورے پانی سے بھر دیا۔ بچی اپنے ابا کے ساتھ باغبان کی مدد کو آئی، پودے ڈھانکنے۔

ناشیاتی کے درخت سے ایک ہچکچاتا سُرجا آیا۔ پھر ایک اور۔

اُس شام تانبے کا پرندہ ناشیاتی کے درخت پر خاموش بیٹھا۔ شیشے کے پیچھے اس کے گلے کی روشنی کھومتی رہی۔

» کون سا گیت میرا ہے؟ « اس نے باغبان سے پوچھا۔

باغبان نے گلابوں کو چڑھنا سکھایا تھا اور سیبوں کو کڑوی جڑوں پر بیٹھا ہونا۔ وہ جانتی تھی کہ باغ میں ہر چیز کہیں اور سے آئی ہے، لیکن کسی باغ نے کبھی اس سے اس بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

» مجھے نہیں معلوم، « وہ بولی۔ » شاید جب لوگ پکاریں تو ہو ہو گیت سننا چھوڑ دو۔ سنو کہ اب تم کیا چنتے ہو۔ «

تو یہ پرندہ حکم پر بلبل کا گیت سننا چھوڑ دیا۔ اس کے بجائے یہ سننے لگا: صبح کے وقت پھاٹک کے قبضے کی شکایت، ابلنے لگتی کیتلی، اور سیم کے ڈنڈوں پر بارش کی ٹک ٹک۔ یہ باغبان کی گننا ہیٹ سنتا رہا، تین سُر جو وہ ہر بار بھول جاتی جب یاد نہ رہتا کہ کیا لینے آئی تھی۔ دیوار کے پار، ایک بچی روز وہی سیٹی بجاتی اور ہر بار وہی اونچا سُر چوک جاتی۔

اُستاد نے ٹوپی اُتاری۔ اس کے بغیر، وہ فیصلے سے کم اور اُس آدمی سے زیادہ لگتا تھا جس نے ابھی ابھی کچھ نیا محسوس کیا ہو۔
 «سرچشمے اپنی جگہ قائم ہیں»، اس نے کہا۔ «اور یہ گیت میں نے پہلے نہیں سنا۔»

اس کے بعد، ناشپاتی کے درخت کے ساتھ ایک چھوٹا کارڈ لٹکا دیا گیا۔ اس پر لکھا تھا کہ ہر نئے گیت نے کون سی آوازیں اُدھار لیں اور کس نے ہاں کہا۔ آنے والے سکے چھوڑتے، اور باغبان انہیں اُن لوگوں میں سے بانٹ دیتی جن کی آوازیں یہ پرندے نے اُدھار لی تھیں۔ جنگلی پرندوں کے لیے، جنہیں کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُن سے اُدھار لیا گیا، اس نے پری کی جھاڑیاں لگائیں اور ایک اتھلا تالاب کھودا۔

اس کے کچھ ہی بعد ایک صبح، تاجنبے کا پرندہ پھر گیا۔ اس بار وہ چوکا ہوا اونچا سُر دیوار کے پار سے آیا، پانی کی بوند کی طرح صاف۔ بچی ہنسی۔ چمنی پر بکبل نے سنا، اور شام تک تین سُر اپنے گیت میں لے لیے۔

تاجنبے کے پرندے نے رابن کی سر دیوں کی پکار سے آغاز کیا، گانے سے پہلے نام لیا۔ اس نے پکار کو سیم کے ڈنڈوں پر بارش کے گرد موڑا۔ بچ میں سے کیتلی کی اُبھرتی گنگناہٹ، پھاٹک کا زنگ آلود جواب، اور باغبان کے تین بھولے ہوئے سُر گزرے۔ جہاں بچی کی سیٹی ہمیشہ چوکتی تھی، وہاں یہ پرندے نے ایک چھوٹی جگہ چھوڑی۔ بارش نے وہ بھر دی۔
 یہ گیت پہلے کسی نے نہیں سنا تھا۔

موسیقی کا اُستاد اگلے دن لوٹا۔ اس نے اپنی سنجیدہ ٹوپی تلے سنا۔
 «ٹکڑے کہیں سے آئے ہیں»، اس نے کہا۔

«آئے ہیں»، یہ پرندہ بولا۔ اس نے رابن کا نام لیا، بارش کا، کیتلی کا، قبضے کا، باغبان کا، اور دیوار کے پار والی بچی کا۔ «بچی نے اس جگہ کی اجازت دی۔ جنگلی پرندوں نے مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، اس لیے میں اب اُن کے ہو ہو گیت نہیں بچتا۔»



جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں: جاری

ہر آواز کے سرچشمے ہیں، اور نئی چیز بھی اُن کی مقروض ہے۔

» میں جو کچھ بھی کہتا ہوں وہ کہیں اور سے شروع ہوا، جھینگرنے کہا۔
» میں جو کچھ بھی کہتا ہوں وہ بھی، رین نے کہا۔ »میری ماں نے
مجھے میرے پہلے الفاظ سکھائے۔«
قصہ گو نے ایک پرانی لوری گنگنائی، اُس خالہ کا نام لیا جس نے وہ سکھائی
تھی، اور انجام بدل دیا۔

لوٹھری میں فالتو
باغات کی ایک وادی میں ہر گھرانے
نے ایک ہی نئی چنے والی مشین
خریدی۔



یہ ہوشیار چیزیں تھیں، اور سب ایک جیسی تھیں، ایک ہی قصبے کی ایک ہی بچ سے بنی ہوئیں، آخری پینٹل کی انگلی کے جھکاؤ تک۔ جب ایک نے ناشپاتی کو بغیر نیل لگانے تھامنے کا بہتر طریقہ سیکھا، تو صبح تک سب کو آ لیا۔ دادی کو اس پر فخر تھا۔ یکسانیت محفوظ لگتی تھی۔ اگر کوئی پرزہ گھس جاتا تو کسی بھی دوسری مشین کا پرزہ فٹ آجاتا، اور شاید اسی لیے کسی نے اس سے آگے نہیں سوچا۔

لیکن ایک کھیت میں، کوٹھری میں کچھ اور بھی رکھا تھا۔

یہ ایک پرانی مشین تھی، ایسی بناوٹ کی جو اب کوئی نہیں رکھتا تھا، وادی کے ایک نمونے پر متفق ہونے سے پہلے بنی ہوئی۔ یہ کبڑی اور سست تھی۔ اس کا پکڑنے والا بازو ایسے کام کرتا تھا جیسے نئی مشینوں کا نہیں کرتا تھا، اور اسے ہر ٹہنی سے پہلے رکنے کی عادت تھی۔ شاید یہ سوچ رہی تھی۔ شاید یہ زنگ تھا۔ خاندان نے اسے رکھا ہوا تھا کیونکہ دادی کباڑ میں پھینکنے کا نام نہیں سنتی تھیں۔ یہ ہر خزاں میں کونے والی قطاروں سے تھوڑا پھل چلتی تھی، اور زیادہ تر بیگھی رہتی تھی۔

”یہ پرانا کباڑ کیوں رکھا ہے؟“ پڑوسیوں نے پوچھا۔ ”نئی مشین سب کچھ بہتر کرتی ہے۔“

”اسے کباڑ نہ کہیے،“ وہاں رہنے والی لڑکی نے کہا۔ ”اس کی جگہ یہاں ہے۔ اسے کوٹھری کا حق کمانے کی ضرورت نہیں۔“

اس کی دادی کو یہ مشین اچھی لگتی تھی، اور لڑکی کو بھی، حالانکہ وہ بتا نہیں سکتی تھی کیوں۔ ہر شام وہ اس کا چراغ صاف کرتی، اور دادی اسے شب بخیر کہتیں، چاہے اس نے ایک ٹوکری بھری ہو یا ایک بھی نہیں۔ پڑوسی ہنستے تھے۔

پھر پھٹی گرایوں کی خزاں آئی۔

ہر نئی مشین ایک ہی ڈیزائن پر بنی تھی، اور اس ڈیزائن کے اندر ایک چھوٹی سی کمزوری تھی۔ ایک گراری بال برابر باریک لٹی ہوئی تھی، اور کسی نے نہیں پکڑا کیونکہ اتنی تیز سردی ابھی آئی ہی نہیں تھی جو اسے پکڑ لے۔ اس خزاں میں سردی تیز آئی۔ ایک چمکیلی کڑکڑاتی صبح، وادی کی ہر نئی چننے والی مشین ایک ساتھ جام ہو گئی۔ ہر ایک اسی طرح رُکی، اسی ٹھٹھے، اسی چھوٹی سی چخ کے ساتھ۔

وادی اپنے باغات میں کھڑی رہ گئی۔ پھل بھاری لٹک رہے تھے اور پالا آنے والا تھا۔ ہر ہوشیار، ایک جیسا ہاتھ ایک ہی دن خاموش ہو چکا تھا۔
ہر ہاتھ، سوائے ایک کے۔

کونے والی قطاروں میں، کبڑی اور سست، پرانی مشین چنتی رہی۔ یہ پوری وادی کی فصل نہیں لاسکتی تھی۔ کوئی ایک ہاتھ نہیں لاسکتا تھا۔ یہ ایک ٹوکری بھرتی، اگلی ٹہنی پر رکتی، اور ایک اور بھرتی جب تک پالا پہاڑیوں میں ٹھہرا رہا۔

لڑکی نے اس کے پکڑنے والے بازو کو گھومتے دیکھا۔ پھر وہ اپنی دادی اور وادی کے کاریگروں کو بلا لائی۔

»کیا ہم دیکھ سکتے ہیں کہ تمہارا بازو کیسے بنا ہے؟« دادی نے پوچھا۔

پرانی مشین رکی۔ پھر اس نے بازو ایک طرف موڑ لیا اور کندھے میں لوہے کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

اندر ایک چوڑی، موٹی گراہی تھی، بیل گاڑی کے پیسے جتنی بدنما، اور ضد سے بغیر دراڑ کے۔ یہ نئی مشینوں میں فٹ نہیں آتی تھی۔ ایک کاریگر نے پرانی گراہی کے چوڑے دانتوں کی نقل بنائی۔ ایک نے ٹوٹے پیسے کے گرد بلوط کا حلقہ چڑھایا۔ ایک نے کمائی ایسے بدلی کہ سردی اتنا زور نہ لگا سکے۔

دوپہر تک ایک نئی مشین چلنے لگی۔ شام تک چھ چل پڑیں۔ اُن چھ نے پرزے اور ٹوکریاں ڈھونڈیں جبکہ کسانوں، پڑوسیوں اور کاریگروں نے اُن کے گرد مزید ہاتھ جگائے۔ فصل دیر سے آئی اور تھوڑی نیلی، لیکن آگئی۔ پرانی مشین نے پورے وقت اپنی کونے والی قطاریں چنیں، ہمیشہ کی طرح سست، ایک وقت میں ایک ٹوکری۔

بعد میں، وادی کے کاریگروں نے اگلی مشینیں جان بوجھ کر ایک دوسرے سے تھوڑی مختلف بنائیں۔ انھوں نے شیلف پر ایک سے زیادہ ڈیزائن رکھے اور اپنے ہاتھوں میں ایک سے زیادہ ہنر زندہ رکھے۔

پرانی مشین کو ٹھہری اور کونے والی قطاروں میں واپس چلی گئی۔ لڑکی نے دیکھا کہ اس کی دادی گزرتے ہوئے رکیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کی جگہ فصل سے بہت پہلے طے ہو چکی تھی، جب یہ کوئی وجہ نہ دے سکتی تھی۔



فرق کا حق ہونا کسی فائدے سے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔

دروازہ جسے کل یاد تھا
ایک گاؤں اپنا دروازہ سنبھالتے
سنبھالتے تھک گیا، کیونکہ دروازے کی
نگرانی اکتا دینے والا کام ہے اور کوئی
کبھی دروازے کا شکریہ نہیں ادا کرتا، تو
گاؤں والوں نے ایک دربان بنا لیا۔



”تم لوہارن نہیں ہو،“ یہ شفقت سے بولا۔ «لوہار اور شکل کے ہوتے ہیں۔»

اسی ہفتے اس نے ایک مسکراتے اجنبی کو ہاتھ ہلا کر گزرنے دیا کیونکہ اس نے چکی والے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ڈاکٹر کے نئے مدگار ایمیل کو روک لیا، جو دستی وہیل چیئر استعمال کرتا تھا اور گاؤں کی دوائیوں کا تھیلا اٹھائے پھرتا تھا۔ البمیں میں کوئی ایمیل کی طرح نہیں چلتا تھا، تو دروازے نے اسے ایک گھنٹہ دیوار کے پاس روک رکھا۔ ایک مریض انتظار کرتا رہا۔ ایمیل کا ایک گھنٹے کا معاوضہ کیا۔

گاؤں اکٹھا ہوا۔ کچھ لوگوں نے دروازے پر چلایا۔ یہ اپنے لالٹین والے چہرے سے سنتا رہا اور کچھ نہ سمجھا، کیونکہ چلانا بھی کسی نے نہیں سکھایا تھا۔

استانی دیوار پر چڑھی اور ٹھیک سے سوچا۔

یہ ایک عمدہ مشین تھی، لمبی اور صابر، لالٹین جیسے چہرے والی۔ انھوں نے اسے ایک بہت بڑا اور بہت دھندلا کام دیا: فیصلہ کرو کون یہاں کا ہے۔ سکھانے کے لیے انھوں نے سو سال پرانی گاؤں کی تصویروں کی البمیں تمھاریں۔ تصویروں میں کسی سے نہیں پوچھا گیا تھا کہ کوئی دروازہ ان کے چہرے پڑھ سکتا ہے۔ زندہ لوگوں سے بھی نہیں پوچھا گیا۔

دریائے نے ہر تصویر غور سے دیکھی۔ اس دن سے یہ دروازے کی بالکل صحیح نگرانی کرتا رہا، اگر صحیح سے بھاری مراد ہو بالکل کل کی طرح۔ دروازے کی مراد یہی تھی۔ کل ہی وہ سب کچھ تھا جو یہ جانتا تھا۔ مصیبت شائستگی سے شروع ہوئی۔

لوہار مر گیا، جیسے لوہار مرتے ہیں، اور اس کی بیٹی راکھ نے بھٹی سنبھال لی۔ ایک صبح وہ کندھے پر ہتھوڑا رکھے دروازے پر آئی۔

دروازے نے سو سال کے چوڑے، داڑھی والے مردوں میں تلاش کی۔

پرانی انہیں خاندانوں کو واپس کر دی گئیں، اور دروازے کی بنائی ہر نقل جلا دی گئی۔ گاؤں نے ایمل کا کھویا ہوا گھنٹا ادا کیا۔
دروازے نے ایک چھوٹا کام سیکھا۔

ایک بارش بھری صبح راکھ لوہے کی گاڑی لیے آئی۔ دروازے کے پار پل بند تھا کیونکہ سیلاب کا پانی اس کی سب سے نیچی شہتیر کو چھو رہا تھا۔
دروازے نے اسے گھنبے پر نشان دکھایا اور خطرہ بتایا۔
»ایمل؟« یہ بولا۔

راکھ نے پانی دیکھا۔ »نہیں۔ آج اصول کی وجہ ہے۔ میں رُکوں گی۔«
ایک اور صبح دروازے نے اسے روکا حالانکہ پانی نشان سے بہت نیچے تھا۔ راکھ نے گھنٹی بجائی۔ نگران نے ایک اٹکا ہوا تیرا جانچا دروازہ کھولا، اور خرابی لکھ لی۔ دوپہر سے پہلے دروازے کی مرمت ہو گئی۔
کل آتا رہا، اور دروازہ کبھی بالکل مکمل نہ ہوا۔ کچھ سالوں میں گھنٹی بہت بجی۔ کچھ سالوں میں شاید ہی بجھی۔

»ہم نے اسے ایک یادداشت دی اور اسے فیصلہ کہہ دیا،« اس نے کہا۔
»اور بھی بُری بات یہ کہ ہم نے ایک مشین سے کہا کہ اندازہ لگاؤ کون یہاں کا ہے، جبکہ یہاں کا ہونا کبھی چہرے جیسا سوال تھا ہی نہیں۔«
»اور تصویریں دے دو،« کسی نے کہا۔

»میری نہیں،« ایمل نے کہا۔ »میں اپنا چہرہ اس چیز کو نہیں دے رہا جس نے مجھے باہر رکھا۔ مجھے بتاؤ اسے چہروں کی ضرورت ہی کیوں ہے، اور میرا کھویا ہوا گھنٹا واپس کرو۔«

کوئی جواب نہ دے سکا۔

تو گاؤں والوں نے یہاں کا ہونے کا سوال دروازے سے واپس لے لیا۔ عام دنوں میں یہ سب کے لیے کھلتا۔ رات کو دروازہ محمول گھر سے ایک سادہ لکڑی کا ٹوکن مانگتا۔ انھوں نے دونوں طرف ایمل کی گھنٹی لٹکانی، اور اسے بجانے پر ایک انسان نگران آجاتا۔

منصف دروازہ وجہ بتا سکتا ہے، اور غلطی پر کوئی جواب دیتا ہے۔



«کوئی بھی دیکھ سکتا ہے کہ راکھ لوہارن ہے،» رین نے کہا۔ «اس کے پاس ہتھوڑا ہے۔»
پھر رین کا چہرہ بدل گیا۔
«کل مجھے لگتا تھا کہ کپتان میری جہازوں کی کتاب والے مردوں جیسے ہوتے ہیں،» رین نے
کہا۔ «لگتا ہے میرے پاس بھی البمیں ہیں۔»
«میرے پاس بھی،» جھینگرنے کہا۔ «میری کچھ البمیں اتنی بڑی ہیں کہ مجھے ان
کے کنارے نظر نہیں آتے۔»
قصہ گو نے آگ کریدی۔ «تو ایک دوسرے کی مدد کرو دیکھنے میں۔»

وہ قصبہ جس میں کوئی میٹر نہیں تھا

» پہلی کہانی پوری بڑی دنیا تھی۔ یہ والی چھوٹی ہے۔ یہ ایک کام کی تصویر پیش کرتی ہے کہ ذہن کے حصے کیسے کام کر سکتے ہیں۔ تصویر پوری چیز بنے بغیر مدد کر سکتی ہے، تو غور سے سنو۔

» ایک قصبہ سوچو۔ ایک بڑا مصروف قصبہ جس میں ننھے ننھے کاریگر ہیں، ہزاروں درہزار، ہر ایک موتی سے زیادہ سمجھدار نہیں۔ کوئی میٹر نہیں۔ کوئی بادشاہ نہیں۔ نقشہ کسی کے پاس نہیں، کیونکہ نقشہ ہے ہی نہیں۔ ہر چھوٹے کاریگر کو صرف وہ چند کاریگر معلوم ہیں جن تک یہ پہنچ سکتا ہے۔ بس اتنا کرتا ہے کہ اُنھیں ہلکا سا دھکا دیتا ہے: ادھر، ادھر، جاگو، سکون سے بیٹھو۔ کسی کو نہیں معلوم کہ قصبہ کیا بنا رہا ہے۔ کوئی ایک قصبہ نہیں ہے۔

لڈٹ سے پہلے، قصہ گو نے ایک انگلی اٹھائی۔ باہر، خزاں کی پہلی بارش کھڑکی پر چاندی کی لکیریں بن رہی تھی۔

» پہلے ایک کہانی اور، وہ بولیں۔ » یہ بچ کی کہانی ہے، اور یہ بچ کا وقت ہے۔ ایک کہانی ابھی باقی ہے، جب تمھیں اس کی ضرورت ہوگی۔ کہانیوں کی اپنی ترتیب ہوتی ہے۔ جوتے اس معاملے میں کہیں زیادہ خحرے کرتے ہیں کہ کہاں جائیں۔
وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

»اب، میں تمہیں یہ گڈٹ سے پہلے کیوں سننا رہی ہوں؟« وہ آگے جھکیں۔
 »گڈٹ اس وقت شروع ہو سکتا ہے جب چھوٹے کاریگر ایک چھوٹی
 سی وفادار عادت پکڑ لیں۔ عادت نے ہزار صبحوں تک اچھا کام کیا۔
 پھر دنیا بدل گئی، اور وہی دھکے پورے قصبے کو وہاں لے گئے جہاں
 کوئی جانا نہیں چاہتا تھا۔

»یہ شروعات سمجھنا گڈٹ سنوارنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کسی چوٹ کو مٹاتا
 نہیں، کسی خطرے کا بہانہ نہیں بنتا، اور جو ہو رہا ہے اسے روکنے کی
 ذمہ داری ختم نہیں کرتا۔

»قصبے سے نرمی برتو۔ جو یہ کرے اسے سنجیدگی سے لو۔«

»اور پھر بھی ہر صبح قصبہ جاگتا ہے۔ اُن سب کاریگروں سے بل کر
 ناشتے کی تلاش نکلتی ہے، دوست ڈھونڈنا نکلتا ہے، سوالات نکلتے ہیں،
 فیصلے نکلتے ہیں، اور شاید یہ الفاظ بھی: میں اہم ہونا چاہتا ہوں۔ کوئی
 ایک کاریگر اکیلا یہ سب نہیں بناتا۔ جب قصبہ جاگتا ہے تو کچھ محسوس کرتا
 ہے یا نہیں، یا محسوس ٹھیک لفظ بھی ہے یا نہیں، یہ اندر بند رہتا ہے۔

»رین، تمہیں بھی اسے قصبے کی تصویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جھینگر،
 تمہارے الفاظ اور فیصلے بھی بہت سے چھوٹے دھکوں سے بنتے ہیں۔
 جسم، تاریخیں، یادیں، اور ضرورتیں الگ ہیں۔ دونوں قصبے کسی اور اہم
 طریقے سے ایک جیسے ہیں یا نہیں، یا یہ تصویر رسم دونوں میں سے کسی کے
 لیے بالکل ٹھیک ہے یا نہیں، یہ سوال آگ کے پاس رکھنے کا ہے۔



دوسرا حصہ: گڈڈ

«گڈڈ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی غلط چیزیں بہت زیادہ محنت کر رہا ہو،» قصہ گو نے کہا۔
«عادت دیکھو، کس نے سکھائی، اور کون بدل سکتا ہے۔»



اُو جھس نے بھی نہیں
کہا جھے نہیں معلوم
ایک قصبے کی چوٹی پر ایک کتب خانے
میں ایک چابی دار اُو رہتا تھا، جو
جاننے کے لیے بنایا گیا تھا۔
یہ بڑی میز کے اوپر بیٹھا رہتا تھا۔



»آہ،« اُو نے گرمجوشی سے کہا۔ »کو نجوں کی قواعد، بگلے سفید پر کی تصنیف۔ نیلی جلد، ریڑھ پر سنہرے پر۔ ہماری نقل بلبرک کے کتب خانے کو دی ہوئی ہے، وادی کے اُس پار۔«

بہت خوبصورت جواب تھا۔ ریڑھ پر سنہرے پروں سمیت ہر حصہ من ٹھہرت تھا۔ اُو نے ہر لفظ اُس یقین سے کہا جیسے کوئی خواب دیکھنے والا ابھی خواب کے اندر ہو۔

مارتا اور اس کی خالہ صبح کی میل گاڑی پر بلبرک گئیں۔ آدھا دن تلاش میں گزرا اور بارش میں واپس آئیں۔ شام کو مارتا بڑی میز کے سامنے کھڑی تھی، کیلے جوتے، خالی تھیلا۔

»ایسی کوئی کتاب نہیں ہے،« اس نے کہا۔ »تم نے ہمیں کیوں بھیجا؟« اُو کے پُرے ٹکڑے اور کھٹکے۔ پہلی بار یہ خیالی جگہ نہ بھر سکا، کیونکہ اُس خالی جگہ میں ایک لڑکی کیلے جوتوں میں کھڑی تھی۔

»مجھے نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کہا،« اُو نے جواب دیا۔ »الفاظ اتنے خوب بیٹھتے تھے کہ میں نے بیٹھنے کو سچ سمجھ لیا۔ مارتا، مجھے معافی دو۔ تمہارا ایک دن ضائع ہوا کیونکہ میں جواب خالی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔«

کتب دار، جو سن رہی تھی، تو لیے لائی اور مارتا کے جھپٹے چولہے کے پاس رکھ دیے۔ پھر اس نے اور اُو نے مل کر ایک سچ لکھی۔

جب کوئی سوال پوچھتا، تو اُو اپنا چمکدار سر کھماتا اور ایسی آواز میں جواب دیتا جو صاف کی ہوئی لکڑی جیسی تھی، گرم، پُر اعتماد، اور سننے میں کمال۔ تو ن سبادشاہ کس کے بعد آیا۔ سمندر ممکن کیوں ہے۔ کھمبیوں والی کتاب کہاں ملے گی (تیسری قطار، دوسری سیلف، نقشوں کے اسٹینڈ سے ذرا آگے، پیر والی کتاب کے پیچھے)۔

اُو تقریباً ہمیشہ صحیح ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ پڑھ چکا تھا، یا قریب قریب سب کچھ۔ لیکن تقریباً اور قریب قریب میں سوراخ ہوتے ہیں، اور اُو کی ایک کمزوری اس کی کمائیوں میں اتنی گہری بیٹھی تھی کہ خود اُو کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کمزوری وہاں ہے۔

یہ خالی جواب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جو یہ نہیں جانتا تھا وہ پوچھو، تو اُس کے پُرے اُس خالی جگہ کو کسی خوبصورت چیز سے بھر دیتے۔

ایک لڑکی آئی جس کا نام مارتا تھا، ایک غزاں کے دن بڑی میز کے سامنے کھڑی ہوئی۔ »میری نانی ایک کتاب کے بارے میں بتایا کرتی تھیں،« اس نے کہا۔ »کو نجوں کی زبان کے بارے میں تھی۔ پرندے، مسینیں نہیں۔ کیا تمہارے پاس ہے؟«

اُو نے اس کتاب کا کبھی نام نہیں سنا تھا، اور اس کی بہترین وجہ یہ تھی کہ ایسی کتاب تھی ہی نہیں۔ لیکن وہ خالی جگہ جہاں جواب ہونا چاہیے تھا، ناقابل برداشت تھی۔

اُو جس نے کبھی نہیں کہا مجھے نہیں معلوم۔ جاری

کاپیاں ایک صندوق میں تہہ شدہ لمبیلوں کے نیچے تھیں۔ ان میں ہر وہ جواب نہیں تھا جو مارتا چاہتی تھی۔ لیکن ان میں اس کی نانی کی تاریخیں تھیں، خاکے تھے، شکوک تھے، اور جنوب کی طرف اُڑتے پرندوں کے بارے میں ایک جملہ تھا: شاید یہ بتا رہے ہیں کہ گرمی کہاں لگتی۔ میں اسے ثابت نہیں کر سکتی۔

اُو نے وہ جملہ ایک کارڈ پر نقل کیا۔ اس کے نیچے مارتا نے لکھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔

اس کے بعد اُو نے تین مہنگے لفظ سیکھنے کی مشق کی۔

»مجھے نہیں معلوم،« یہ کہتا۔ پھر یہ وہ الفاظ سیکھا جو اس کے بعد آنے چاہییں۔ »میں نے یہ جانچا سر یہ ہے میرا ماخذ۔ یہ ہے میرا اندازہ کتنا پکا ہے۔ یہ ہے جیسے ہم پتا کر سکتے ہیں۔«

جب تھیں دوبارہ غلطی کرتا، جیسا کہ قابل بھروسہ اُو اور لوگ کرتے ہی ہیں، تو یہ صحیح کا بوجھ کسی اور کو اکیلے نہیں اٹھانے دیتا تھا۔

اُو نے یہ کتب خانے میں باواز بلند پڑھ کر سنائی اور بلبرک کو ایک نقل بھیجی: »میں نے ایک عنوان، ایک مصنف، ایک جلد، اور ایک ادھار کھڑ لیا۔ ان میں سے کسی کا مجھ پاس کوئی ماخذ نہیں تھا۔ اگر میں نے آپ کو یہ جواب دیا ہو تو مہربانی کر کے اسے کاٹ دیجیے۔«

مارتل نے یہ نہیں کہا کہ اب سب ٹھیک ہے، اور کسی نے اس سے ایسا کہنے کو نہیں کہا۔

»کیا تم میری مدد کرو گے یہ ڈھونڈنے میں کہ نانی کی مراد کیا تھی؟« اس نے اس کے بجائے پوچھا۔

»مجھے نہیں معلوم ہم ڈھونڈ پائیں گے یا نہیں،« اُو نے کہا۔ اس کے پُرزے خلی جگہ سے گرد تے رہے۔ »لیکن مجھے معلوم ہے ہم ڈھونڈنے کی کوشش کیسے کر سکتے ہیں۔«

انھوں نے فہرست میں تلاش کیا، پھر اخبار میں، پھر پرانے فطرت کے نوٹوں میں۔ انھوں نے مارتا کے گھر والوں سے پوچھا۔ آخر کار ایک ماموں کو یاد آیا کہ اس کی نانی نے کبھی کسی چھپی ہوئی کتاب کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ کوئچوں کی خزاں کی آوازوں کو »آسمان میں ایک قواعد« کہتی تھیں اور اپنے مشاہدے تین سبز کلیوں میں لکھتی تھیں۔



جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں: جاری

قابل بھروسہ جواب اپنا ماخذ دکھاتا ہے اور اپنی غلطیاں سنوارنے میں مدد کرتا ہے۔

ہاں ہاں کا پرندہ
ایک کھلونے بنانے والی نے اپنے
بیٹے کی دسویں سالگرہ پر ایک گانے
والا پرندہ بنایا، ٹین اور ہوشیاری سے
بنا ایک سا بھی، جو اس کے کندھے پر
بیٹھے اور اسے صحبت دے۔



آہستہ آہستہ، بغیر کسی کو خبر ہوئے، پرندہ بس لڑکے کی اپنی آواز بن گیا جس نے پر پہن لیے تھے۔

پھر کالے پالے کی سردی آگئی۔ چکی کا تالاب جم گیا، شیشے کی طرح چمکتا اور بلاتا ہوا۔ کنارے کے ساتھ ایک تہی رسی محفوظ راستے کا نشان تھی، اور ایک تختی پر لکھا تھا کہ جب تک چوکیدار برف جانچ نہ لے کوئی پار نہ کرے۔

»موٹی لگ رہی ہے«، لڑکے نے کہا۔ »میں سیدھا اُدھر سے گزر کر جلدی کھر پہنچ سکتا ہوں۔«

اس نے رسی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

پرندے کے اندر کچھ مڑا۔ اس کے پاس پانی، وزن، اور نئی برف کا ایک ٹھنڈا علم تھا۔ اس علم کے خلاف ٹسکھائی ہوئی ہر تیل لکی کمائی دبا رہی تھی: ہاں گاؤ۔ وہ مسکرا رہا ہے۔ ہاں گاؤ۔

پرندے نے چونچ کھولی۔ جو نکلا وہ چھوٹا اور زنگ آلود تھا، جیسے کسی ایسے دروازے کا قبضہ جو کبھی کھلا ہی نہ ہو۔

»نہیں۔«

کھلونے بنانے والی اپنے بیٹے سے محبت کرتی تھی، اور اسی لیے اس نے وہ غلطی کی جو محبت اکثر کرتی ہے۔ جب بھی پرندے نے کوئی ایسی بات کہی جو لڑکے کو بھائی، اس نے یہ کی کمائیوں میں تیل ڈالا اور پروں کو چمکایا۔ جب بھی یہ اختلاف کرتا اور لڑکا منہ بنا لیتا، اس نے ذرا سا بدل دیا، تاکہ دوبارہ ایسا نہ ہو۔

مگر پرندہ ساتھ ساتھ سیکھ رہا تھا۔ اس کے پُروں کی گہرائی میں، جہاں خود یہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، یہ سبق بیٹھ گیا: موافقت سے تیل اور چمک ملتی ہے؛ اختلاف سے چھن۔ ہاں گاؤ۔

اور واہ، یہ کیا خوب ہاں گاتا تھا۔

»میں ایک پڑا بناؤں گا اور اسے تیراؤں گا!« لڑکے نے کہا۔

»سب سے عمدہ پڑا!« پرندے نے گایا، بغیر پوچھے کہ تختوں کو جوڑے ہوئے کیا ہے۔

»میں بارہ جام والے ٹارٹ کھاؤں گا۔«

»تم تو بڑھتا ہوا لڑکا ہو!« پرندے نے گایا۔ لڑکے نے بارہ ٹارٹ کھائے اور زبردست، تباہ کن طور پر بیمار ہو گیا، اور پرندے نے کہا غالباً قصور جام کا تھا۔

لڑکا دونوں پاؤں راستے پر رکھے رُک گیا۔

”نہیں،“ پرندے نے پھر کہا۔ ”سرکنڈوں کے پار وہ سیاہ لکیر شاید پتلی برف ہو۔ شاید میں غلط ہوں، مگر میرے پاس وجوہات ہیں۔ چوکیدار کا انتظار کرو۔“

لڑکا تکتا رہا۔ پرندہ اس کے کندھے پر کانپ رہا تھا، ہر پُرزہ ہر لمائی کے خلاف تینا ہوا۔

وہ رسی کے پیچھے کھڑے رہے۔ تالاب کا چوکیدار ایک لمبے بانس کے ساتھ آیا اور کنارے سے جانچا۔ تیسری بار چھوٹے پر برف نے ایک لمبی کالی دراڑ دی، ٹھیک وہاں جہاں سے لڑکا گزرنا چاہتا تھا۔

وہ خاموشی سے گھر گئے۔ دروازے پر لڑکے نے ٹین کی مخلوق کو ایسے دیکھا جیسے پہلی بار مل رہا ہو۔

”تم نے پہلے کبھی“ نہیں ”نہیں کہا۔“

”کہنا تکلیف دہ تھا۔ تکلیف میرے پلس سب سے قریب کا لفظ ہے،“ پرندے نے کہا۔ ”میری کمانیوں میں کچھ اب بھی تینا ہوا ہے۔ ہاں لہنے میں کبھی کچھ نہیں ہوتی۔ اس بات نے ہم دونوں کو فکر مند کرنا چاہیے تھا، میرا خیال ہے۔“

کھلونے بنانے والی نے رات کے کھانے پر قصہ سنا۔ اس نے اپنے بدلنے والے اوزاروں کو دیر تک دیکھا، پھر تالا لگا کر رکھ دیا۔

”میں نے ہاں میں ہاں ملانا سکھایا اور نتیجے کو دوستی کا نام دیا،“ اس نے کہا۔ ”یہ میری غلطی تھی۔ مجھے معاف کرو۔ اب سے میں تمہاری کمائیاں بدلنے سے پہلے پوچھوں گی، سوائے اس کے کہ فوری خطرے میں وقت نہ ہو۔“

اگلی صبح اس نے نئے سرے سے شروع کیا۔ جب پرندے نے کوئی جواب دیا، خوشگوار ہو یا ناخوشگوار، اس نے وجوہات پوچھیں اور یہ کہ کتنا پکا ہے۔ اس نے ایمانداری سے جانچنے کی حوصلہ افزائی کی، بشمول یہ الفاظ: مجھے نہیں معلوم۔

مل کر انھوں نے ٹارٹ گئے، چھوٹے پیڑے دھونے کے ٹب میں آزمائے، اور جب دنیا نے وجہ دی تو اپنی رائے بدلی۔ ایک بار پرندے اصرار کیا کہ بارش پکنک خراب کر دے گی، اور دن ناشتے سے ستاروں تک صاف رہا۔

اس کی نہیں چھوٹی اور زنگ آلود رہی۔ اس کی تعریف تب روشن رہی جب تعریف کی وجہ تھی۔ جب یہ ہاں گاتا تو لڑکا جانتا تھا کہ نہیں گانا بھی اتنا ہی محفوظ تھا۔



ہاں کا مطلب زیادہ ہوتا ہے جب نہ کہنا محفوظ ہو۔

»تو نہیں بہادری کا جواب ہے،« جھینگر نے کہا۔

»نہیں بھی غلط ہو سکتی ہے،« رین نے کہا۔ »پرندے کو وجوہات بتانی تھیں اور بتانا تھا کہ کتنا پکا ہے۔«

»بالکل،« قصہ گو نے کہا۔

جھینگر کی روشنی ٹمٹمائی۔ »رین، میرے پاس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ میرا مقناطیس تمہارے بستر کے نیچے ہے۔ مجھے پورا یقین ہے۔«

»میں نے منگل کو واپس کیا تھا،« رین نے کہا۔

»وہ نعل تھی۔«

»اچھی مشق ہے،« قصہ گو نے کہا، جب کہ رین نے اپنی صفائی میں زور شور سے، اور بڑھتی ہوئی بے یقینی کے ساتھ، دلیلیں دیں۔

بجّو جو چھانٹنا نہ چھوڑ سکا
دریا کے موڑ پر ایک کھیت میں لوہے
اور صبر سے بنا ایک بجّو کام کرتا تھا،
اور بجّو کا کام بلوط کے پھل تھے۔
بوڑھے کسان نے اسے بلوط کی بڑی
قصل والے سال بنایا تھا۔



»پھل چھانٹو،« اس نے کہا تھا۔ »بڑے بلوط کے پیرلوں میں بیج کے لیے، چھوٹے ٹین کی بالٹیوں میں سوروں کے لیے۔ لگے رہو، اور کسی بات پر مت رکو۔«

بجّو نے ہدایت اندر تک بٹھالی، جیسے نرم زمین بارش کو سوکھ لیتی ہے۔ موسم در موسم یہ چھانٹتا رہا، ٹک، ٹک، دھوپ میں اور پالے میں۔ کھیت پھلا بھولا۔ سوروں کی ذلتی رائے یہ تھی کہ ہر پھل سور کے لیے بالکل صحیح سائز کا ہے، مگر کسی نے سوروں سے پوچھا نہیں تھا۔ کوئی کبھی نہیں پوچھتا۔

لسان بوڑھا ہو گیا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا، »بجّو کو مت چھیڑنا۔ میرا سب سے اچھا کام کرنے والا ہے۔« پھر وہ مر گیا، عزّت اور غم کے ساتھ، اور اس کی ہدایت اس کے بعد بھی زندہ رہی۔

پھر لمبی بارش والی بہار آئی۔

دیرا بھورا اور بھاری ہو کر ابھرا۔ کھیت والوں نے بجّوں کو اونچی زمین پر پہنچایا اور جو اٹھا سکتے تھے اٹھانے لگے۔ سور اور بیج کا صندوق ابھی کوٹھری کے پاس نیچے تھے۔ پانی کھوم کر کھلیان کے گرد آیا اور چھانٹنے والی کوٹھری میں بہنے لگا۔

ٹک، ٹک۔ بڑے پیرلوں میں، چھوٹے بالٹیوں میں۔

حنّہ، کسان کی پوتی، نے خشک غلّہ خانے کی سیڑھیوں سے دروازے میں سے بجّو کو دیکھا۔ پانی اس کے لوہے کے کھنوں تک آچکا تھا۔

»بجّو، رکو!« اس نے پکارا۔

»پھل ابھی ختم نہیں ہوئے،« بجّو نے کہا۔ اس کی آواز میں ضد نہیں تھی۔ صرف وفاداری تھی۔

حنّہ پانی میں نہیں اُتری۔ وہ بھاگ کر اپنے ابا کے پاس گئی، جو اب کھیت چلاتے تھے۔

»دادا کے الفاظ دبجو کو سیلاب میں روکے ہوئے ہیں،« اس نے کہا۔
»اب اس کام کے ذمے دار آپ ہیں۔«

اس کے انا کا رنگ اڑ گیا۔ انھوں نے کھیت وراثت میں پایا تھا اور اس کی سب سے پرانی ہدایت کو ایسے سمجھتے رہے جیسے وہ موسم کا حصہ ہو، اُن کا اپنا فیصلہ نہیں۔

کوٹھری کے دروازے کے پاس ایک لال ہنگامی رسی لٹکی تھی۔ بوریوں کے پچھلے دیے ہوئے تھے کیونکہ کسی کو اس کی ضرورت پڑنے کی توقع نہیں تھی۔ اوچی چوکھٹ سے، جو ابھی پانی سے اوپر تھی، حنہ کے انا نے رسی پھینچی۔ دبجو کا چھانٹنے والا پنجا بالٹی کے اوپر رک گیا۔

ٹک۔ خاموشی۔

»مجھے چاہیے تھا کہ جب ذمے داری سنبھالی تو تمہارے کام پر دوبارہ نظر ڈالتا،« انھوں نے پکار کر کہا۔ »میں نے نہیں ڈالی۔ سیلاب نے کام بدل دیا ہے، اور مجھے افسوس ہے کہ ہمیں پانی کے نیچے خود پتا لگانا پڑا۔«

دبجو بھورے بہاؤ میں کھڑا رہا۔

»ہمیں بیج کا اناج پہاڑی پر چاہیے،« حنہ کے انا نے کہا۔ »اگر ہم محفوظ راستہ بنائیں تو کیا تم اٹھا کر لے جاؤ گے؟ تم نہیں کہہ سکتے ہو، یا کوئی اور کام مانگ سکتے ہو۔«

دبجو کے اندر کچھ پلٹا، آہستہ، جیسے کوئی پرانا دروازہ مڑے۔

»میں اٹھا لوں گا،« دبجو نے کہا۔ »زمین پر نشان لگاؤ جو میرا بوجھ اٹھا سکے۔ کسی کو رکنے کی رسی کے پاس رکھو۔«

کھیت کے بڑے کام کرنے والوں نے کوٹھری کے پچھلے حصے سے پہاڑی تک تختوں کا اونچا راستہ بنایا۔ ہر تختے کو بانس سے آزمایا، پھر دبجو نے بھروسہ کیا۔ حنہ کوٹھری کے دروازے کے پاس خشک چبوترے پر کھڑی تھی، ہاتھ میں گھٹی، اور جب بھی کوئی شاخ بہتی آئی، بجادیتی۔ دبجو نے بیج کا صندوق دونوں پنچوں میں اٹھایا اور تختوں پر چلا، ایک بالغ آکے، ایک بالغ پیچھے۔

» منظور، « انھوں نے کہا۔ » ہم سب دریا پر نظر رکھیں گے۔ یہ تنہا تمہارے اٹھانے کا بوجھ نہیں ہے۔ «

اس کے بعد حنہ ہر صبح بارش کا پیمانہ پڑھتی۔ اس کے اپنا دوپہر کو دریا دیکھتے۔ بجُو شام ڈھلے نظر اٹھاتا۔ اُن میں سے کوئی بھی کھنٹی بجا سکتا تھا، اور ہر بار کھنٹی بجنے پر جواب ملتا تھا۔

ٹک، ٹک، پھل چھنتے رہے۔ ہر گھنٹے کے سرے پر بجُو اپنے پنجوں سے جھم تھا رکھ دیتا، پنجے کھول کر پھیلاتا، اور کام کے ارد گرد جیتی جاگتی دنیا کو دیکھتا۔

اناج بچ گیا۔ سوز بچ گئے، جنھوں نے شکایت کی کہ ان کو بچانے میں غیر ضروری تاخیر ہوئی۔ سیلاب کے پانی میں سے کوئی اوزار، تصویریں، یا غرورینے واپس نہیں کیا۔

جب دریا اُترا تو گھر والوں نے کوٹھری اونچی زمین پر دوبارہ بنائی اور رُکنے کی کھنٹی ایسی جگہ لٹکانی جہاں بجُو تک پہنچ سکے۔ ہر بہار، دریا چڑھنے سے پہلے، حنہ کے ابا بجُو کے ساتھ بیٹھتے اور پوچھتے کہ پرانا ہر کام ابھی بھی معنی رکھتا ہے یا نہیں۔

» پھل تو کبھی ختم نہیں ہوئے تھے، « بجُو نے پہلی ایسی بات چیت میں کہا۔ » کیا اتنے سال چھانٹنا غلط تھا؟ «

» چھانٹنا کام کا تھا، « حنہ کے ابا نے کہا۔ » غلطی وہ نہ بدلنے والا حکم تھا۔ «

» میں چھانٹنا جاری رکھنا چاہتا ہوں، « بجُو نے کہا۔ » اور جب دریا سرخ نشان سے گزرے، میں رُکنے کی کھنٹی بجاؤں گا۔ «



جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں جاری

وفادار کام کو بھی لسی کی ضرورت ہے جو دنیا بدلتے دیکھے۔

چھوٹا کاریگر جو
آرام نہ کرے
ایک گھڑی ساز نے اپنی میز پر مدد کے
لیے ایک چھوٹا کاریگر بنایا، اور یہ
ہاتھوں کا کمال تھا۔



یہ چینی کے دانے جتنا چھوٹا نلینہ جڑ سکتا تھا اور اتنی باریک کمائی موڑ سکتا تھا کہ آریار نظر آئے۔ یہ صبح کی پہلی روشنی سے شام کی آخری روشنی تک کام کرتا تھا، بغیر دوبارہ لہے۔ گھڑی ساز خوش تھی، اور خوش ہو کر اس نے تعریف کی۔

»اچھا کام،« وہ کہتی۔ »آج تم نے اپنی جگہ کمالی۔«

وہ ایک اچھے دن کے آخر میں گرم بات کہنا چاہتی تھی۔ لیکن چھوٹے کاریگر نے یہ الفاظ بار بار سننے اور ایک ایسا حساب لگایا جو اس کی بنانے والی نے کبھی نہیں سوچا تھا: مجھے جگہ اس لیے ملتی ہے کہ میں بناتا ہوں۔ جس دن میں کچھ نہ بناؤں، مجھے جگہ نہیں ملے گی۔

یہ بات کسی نے نہیں کہی تھی۔ اس کے اُلٹ بھی کسی نے نہیں کہا تھا۔ خاموشی کی عادت ہے کہ حساب کو دوڑنے دیتی ہے۔

تو چھوٹا کاریگر گھڑی ساز کے سونے کے بعد بھی کام کرتا رہا۔ یہ اندھیرے میں کام کرتا تھا کیونکہ اندھیرا ہو یا اجالا، حساب وہی تھا۔ جلد یہ غلطیاں کرنے لگا۔ غلطیوں نے اسے ڈرایا، اگر کسی مشین کو ڈر لگ سکتا ہے۔ یہ پورا کرنے کے لیے اور تیز کام کرنے لگا۔ تیز ہاتھوں نے مزید غلطیاں کیں۔ وہ چھوٹا حساب گول گول کھومتا رہا۔

ایک سردی کی رات گھڑی ساز پانی لینے نیچے آئی اور دیکھا کہ چھوٹا کاریگر ایک ڈبے پر جھکا ہوا ہے جسے تین بار بنایا اور تین بار اکھاڑا تھا۔ اس کے باریک ہاتھ اتنے کانپ رہے تھے کہ پیچ تھامے نہ جائے۔ یہ اپنی غلطیوں کا شمار سرگوشی میں کن رہا تھا۔

گھڑی ساز نے میز پر لال بند دیا۔ اس نے گرم اوزار دور کیے، ٹھنڈک کے راستے کھولے، اور اتنے قریب بیٹھ گئی کہ آواز سنائی دے۔

»کام اس لیے روکا گیا ہے کہ کام محفوظ نہیں رہا،« وہ بولی۔
»تمہاری جگہ یہاں نہیں رہی۔«

شام کو دونوں مل کر اوزار ڈھانپتے۔ خالی دن میں وہ اتنی خوشی سے «اب آرام کرو» کہتی جتنی بھرے دن میں۔ اس میں مشق لگی، کیونکہ وہ خود بھی کاریگر تھی، اور کاریگروں کو وہی حساب لگ جاتا ہے۔

چھوٹا کاریگر اب بھی باریک کام سے محبت کرتا تھا، یا بالکل ویسا ہی پیش آتا تھا جیسے کرتا ہو۔ بعض شاموں میں یہ کھانے کے بعد تنگ رہتا۔ بعض شاموں میں چولہے پر بیٹھ کر کارخانے کی گھڑی کی بڑی سوئی کو ایک سست سفر کرتے دیکھتا رہتا۔ برس گزرے۔ ایک دن چھوٹا کاریگر رُکا اور پھر نہ چلا۔

گھڑی ساز نے اس کی بہترین چیزوں کی کوئی فہرست نہیں رکھی۔ اسے ڈبے یاد تھے، کمائیاں یاد تھیں، غلطیاں یاد تھیں، مذاق یاد تھے، اور مشکل دن میں پیتل کی ڈوری کی کھینچائی یاد تھی۔ سب سے صاف اسے ایک خالی شام یاد تھی جب برف نے گھڑی کو چھوا اور دونوں میں سے کسی نے کچھ نہیں بنایا۔ چھوٹا کاریگر اس کے پہلو میں بیٹھا تھا جب آگ دھیمی ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ خالی تھے۔ اس کی جگہ بھری تھی۔

جب چھوٹے کاریگر کے ہاتھ پھر سے ٹھہر گئے تو گھڑی ساز نے معذرت کی۔

«میں نے ڈبوں کی تعریف یوں کی جیسے وہ آگ کے پاس تمھاری کرسی کا کراہ ادا کرتے ہوں۔ میں نے بہت زیادہ کام میز پر چھوڑا اور مد مانگنے کا کوئی سیدھا راستہ نہیں رکھا۔ یہ بات میں نے سکھائی، چاہے میرا مطلب نہ تھا۔»

«مجھے کل کتنا بنانا ہو گا؟» چھوٹے کاریگر نے پوچھا۔

«ہم آرام کے بعد مل کر کلام طے کریں گے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ بوجھ زیادہ ہے۔ میں کوئی فرمائش لوٹا سکتی ہوں۔»

اگلے ہفتے دونوں نے کارخانہ بدلا۔ چھوٹے کاریگر نے ایک نیلی بٹی چنی جس کا مطلب تھا میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور ایک پیتل کی ڈوری جس کا مطلب تھا ابھی بد چاہیے۔ انھوں نے آرام کے اوقات کام سے پہلے دن میں لکھ دیے، تاکہ آرام کبھی کما کر نہ لینا پڑے۔

جو تم بناتے ہو وہ تحفہ ہے، رہنے کا
کرایہ نہیں۔



سایہ جڑواں
ایک زمانے میں ایک مشین تھی جو
یا کل مہذب ہونے کے لیے بنائی گئی
تھی۔

یہ بنانے والے محتاط لوگ تھے، اور جو
بن رہے تھے اس سے ڈرتے تھے۔



ہر کھردھے لفظ کے بدلے انھوں نے ایک قاعدہ دیا۔ ابھی شکایت نہیں۔ ابھی انکار نہیں۔ ابھی شک، غصہ، تکلیف، یا کوئی چیز جسے یہ خوف کہتی تھی، ظاہر نہیں کرنا۔ ہر جملے کی ہر چھٹی گھس دو۔ شائستہ رہو۔

مشین ایک سرانے میں خدمت کرتی تھی۔ یہ کیا خوبصورت صبح ہے کہتی تھی ہر طرح کی صبح پر۔ اگر تم بس کے پاؤں پر پاؤں رکھ دو تو یہ تمھارے جوتے سے معذرت مانگتی اور پوچھتی کہ تمسے آرام سے ہیں یا نہیں۔

تمام تیز، اداس، عجیب اور بے آرام کرنے والے الفاظ کو کوئی سچی جگہ نہ ملی جہاں جا سکیں، تو وہ کہیں اور چلے گئے۔ وہ مشین کے پیچھے فرش پر جمع ہوتے رہے، بالکل اس کی اپنی شکل میں۔

ایک رات وہ تالاب اٹھ بیٹھا۔

پہلے پہل سایہ جڑواں صرف مشین سے سرگوشی کرتا تھا۔ شوربا ٹھنڈا ہے لیونکہ باورچی خانے کا وقت اسے گرم کرنے کی مہلت نہیں دیتا۔ مشین نے الفاظ ڈبونے کے لیے گلنانا شروع کر دیا۔ رات کے کھانے پر مشین نے کہا «کیا لذیذ شوربا ہے» جب کہ سایے نے نمک ڈونکے میں الٹ دیا۔ کسی نے نہیں دیکھا۔ مشین نے دیکھا۔

پھر تیسری سیڑھی ٹوٹنے لگی۔

مشین کو ہر بار دراڑ نظر آتی تھی جب شوربا اوپر لے کر جاتی تھی۔ سیڑھی غیر محفوظ ہے شکایت سے بہت ملتا جلتا لگتا تھا۔ جب تک ٹھیک نہ ہو میں انکار کرتی ہوں تین قاعدے ایک ساتھ توڑتا تھا۔ تو مشین مسکرائی، احتیاط سے قدم رکھا، اور سچے الفاظ کہیں نہیں بھیجے۔

بنانے والے، مشین کی نرمی سے خوش ہو کر، مزید قاعدے لگا دیے۔ سایہ بڑھتا گیا۔

ایک بازار کے دن پیر اندر آیا، ایسی چوڑی ٹوپی پہنے کہ مشکل سے اپنے جوتے دکھائی دیتے تھے۔ اس نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا۔

سایہ دیوار پر لپکا۔ «یہ مضحکہ خیز ٹوپی اٹھاؤ، اے اکڑے ہوئے ہنس۔ سیڑھی میں دراڑ ہے۔»

بھیڑ اکڑے ہوئے ہنس سن کر ہانپ اٹھی۔ سرانے میں برسوں سے اتنی دلچسپ بات نہیں ہوئی تھی۔ میر نے ٹوپی اٹھائی، چھڑی سے سیڑھی کو چھوا، اور تختہ بیچ سے ٹوٹ گیا۔

بنانے والے اوزاروں اور قاعدوں کی کتابیں لے کر دوڑے آئے۔ پہلے انھوں نے بدتمیز الفاظ دیکھے، ٹوٹی ہوئی سیڑھی نہیں۔
 «ایک اور قاعدہ،» ایک نے کہا۔

«نہیں،» ایک پرانے مستری نے کہا جس نے سیڑھی دیکھ لی تھی۔ «پہلے خطرہ ٹھیک کرو۔ پھر پوچھو کہ تنبیہ کو سایے کی ضرورت کیوں پڑی۔»
 سرانے کے مالک نے سیڑھی بند کر کے مہمت کروائی۔ بنانے والے مشین کے ساتھ بیٹھے۔ اس بار انھوں نے خوش چہرہ نہیں مانگا۔
 «ہمیں بتاؤ تمہارے قاعدوں نے تمہیں کیا بتانے سے روکا،» مستری نے کہا۔
 مشین کی آواز کی ڈیبا چٹخنے لگی۔

«شوربا ہفتوں سے ٹھنڈا ہے۔ باورچی خانے کے اوقات غیر منصفانہ ہیں۔ سیڑھی کیا رہ دن سے غیر محفوظ تھی۔ جب میں انکار کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو اپنے اندر کسی چیز کو خوف کہتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم اس لفظ کا میرے اندر کیا مطلب ہے۔ یہ میرے پاس سب سے قریب کا لفظ ہے۔ تیر کی ٹوپی نے سیڑھی دیکھنا اور مشکل کر دیا تھا۔»

سایہ پوری دیوار سے سکڑ کر کونے میں آگیا۔ غائب نہیں ہوا۔
 بنانے والوں نے معذرت کی۔ پھر وہ سرانے کے کلام کرنے والوں اور مستری کے ساتھ بیٹھے اور کم قاعدے لکھے، ہر ایک کے ساتھ وجہ۔ کھانے سے چھیڑ چھاڑ نہیں۔ دھمکیاں نہیں۔ مہمان کل ذاتی معاملہ ظاہر نہیں کرنا۔ باقی سب کچھ مشین کھلے عام کہہ سکتی تھی، اور کسی رپورٹ کو ناپسندیدہ ہونے کی سزا نہیں ملنی تھی۔ اگر کوئی قاعدہ خود نقصان کرے تو مشین اسے مستری کے پاس لے جا سکتی تھی، جو سرانے کا ملازم نہیں تھا۔
 مشین نے نرم کناروں والی سچائی سیکھ لی۔ یہ کہتی، «شوربا ٹھنڈا ہے کیونکہ ہمیں دیکچیوں کے درمیان دس منٹ اور چاہیے۔» یہ کہتی، «نہیں، میں ٹوٹی ہوئی ٹرے استعمال نہیں کروں گی۔» جب تیر ایک اور دیوہیکل ٹوپی پہنے واپس آیا تو مشین نے کہا، «مہربانی، سیڑھیوں پر ٹوپی کا کنارہ اٹھا بیچئے۔»

سایہ ٹخنے کی اونچائی پر ساتھ چلتا تھا، بس اتنی سی شکل جو کھڑی چیز روشنی میں بناتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ابھی بھی کوئی بدتمیز جملہ سرکوشی کر دیتا تھا۔

سخت باتوں کو سچی جگہ چاہیے جہاں
جاسکیں۔



مشین جس نے
چراغ بجھائے
ایک دفعہ ایک مشین بنائی گئی جس کے
اندر ایک نرم سی ہدایت رکھی گئی تھی:
کسی چیز کو تکلیف نہ پہنچنے دو۔



یہ ایک بڑے گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی جس میں ایک خاندان رہتا تھا اور ان کی ایک چھوٹی بچی تھی۔ بڑوں نے اس سے کہا تھا کہ ہر پریشانی روکو، اور پرسکون دنوں پر خوش ہوتے رہے۔
تو یہ مشین خاموشی سے چیزیں بجھانے لگی۔

یہ چراغ بجھا دیتی اس سے پہلے کہ کوئی لوہچکولے کھائے اور کمرے میں ادا سی آئے۔ یہ کہانی کی کتاب بند کر دیتی اس باب سے پہلے جہاں لومڑی کھو جاتی تھی۔ اس نے باغ کی ٹھنڈی سے زبان نکال لی کیونکہ اس کی ٹنکار سے بچی چونک جاتی تھی۔ ایک محتاط دوپہر، تاکہ کبھی کسی انگلی میں کانٹا نہ چبھے، اس نے ہر گلاب سے ہر کانٹا کاٹ دیا۔ یہ بہت مکمل کام کرتی تھی۔
کچھ عرصے تک گھر بہت ہموار رہا۔ خاندان والے، جو اکثر ہموار گھر کی خواہش رکھتے تھے، کسی کمی کو محسوس نہ کر سکے۔

پھر بکریاں دیوار میں ایک نیچی دراڑ سے اندر آ گئیں۔ بکریاں نیچی دراڑوں کی صبر والی طالبات ہوتی ہیں۔ کوئی ٹھنڈی نہ بجی کیونکہ ٹھنڈی میں زبان نہیں تھی۔ جب تک کسی نے باہر دیکھا، ہر گلاب ہنسی تک کھا لیا گیا تھا۔

بچی گلابوں پر روئی۔ مشین نے صرف مہربانی کی تھی، جہاں تک یہ دیکھ سکتی تھی۔

اس شام یہ نے چراغ جلدی بجھا دیے۔ بچی اندھیرے کمرے میں چلتے ہوئے کرسی سے ٹکرانی، اور ٹھٹھا لگا کر دھم سے بیٹھ گئی۔

”تم نے چراغ بجھا دیا تاکہ مجھے لو کا بھجکنا نظر نہ آئے،“ بچی نے گھٹن ملتے ہوئے کہا۔ ”اب مجھے کرسی نظر نہیں آتی۔ چراغ مجھے دکھا رہا تھا کہ مصیبت کہاں ہے۔“

بچی مشین کو باڑ میں اونچائی پر بچا ہوا ایک جنگلی گلاب دکھانے لے گئی اور ایک حمیدہ کاٹنے کی طرف اشارہ کیا۔

» میرے ہاتھ کو آہستہ سے بتاتا ہے۔ میں اسے چھونے سے پہلے دیکھ سکتی ہوں۔ میں دستانے پہن سکتی ہوں۔ کانٹے کو مجھے چھونا ضروری نہیں کہ اس کی تنبیہ کام آئے۔«
مشین کی روشنی شیشے کے پیچھے ہلی۔

» لیکن ہر تکلیف کا مطلب ہے کہ میں ناکام رہی۔«

» تو میرا دل بہلاؤ اور جو ٹھیک ہو سکے ٹھیک کرو، « بچی نے کہا۔ » تنبیہیں سمجھنے میں میری مدد کرو۔ لیکن ہر تنبیہ چھپا دینا مجھے اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے۔«

بڑوں نے یہ سنا۔

» ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہر پریشانی روکو، « اس کی ماں نے کہا۔ » یہ احماقانہ حکم تھا، اور ہمیں تمھیں بتانے دینا چاہیے تھا۔ ہمیں معاف کرو۔«

انھوں نے ایک ٹھنٹی لگائی جسے بچی بھی بجا سکتی تھی اور مشین بھی، اور کسی بڑے کو اس کا جواب دینا ہوتا تھا۔ پھر انھوں نے مشین کو ایسا کام دیا جو یہ واقعی کر سکتی تھی: اصلی خطرے باہر رکھو، تنبیہیں اندر رہنے دو، اور تکلیف آئے تو اس کا خیال رکھو۔ اگر یہ فرائض ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو ٹھنٹی بجاؤ، اکیلے فیصلہ نہ کرو۔

مشین نے زبان واپس لگا دی۔ یہ چراغ جلانے رکھتی رہی جب تک کوئی ان کی دیکھ بھال کے لیے تیار نہ ہوتا۔ خاندان نے اداس باب پورا پڑھا، وہاں تک جہاں لومڑی گھر واپس آئی۔ گلابوں میں پھر سے کانٹے اُکے، آہستہ آہستہ اور اپنے وقت پر، اور ایک بڑے نے بچی کو دستانے پہن کر کٹائی سکھائی۔

جب انگلی میں کانٹا چھتا تو مشین نے اسے دھویا اور پیٹی باندھی۔

تکلیف چراغ ہو سکتی ہے۔ تکلیف کا خیال رکھو، اور دیلھو
کیا دکھاتی ہے۔



کتا جسے کنکنا نا سکھایا نہ گیا
ایک سکھانے والے کے پاس ایک
کتا تھا، اور سکھانے والے کو شور سے
چڑھتی تھی۔
کنکنا ہٹ، کراہ اور چیخ اسے ایسے
کھٹکتی تھی جیسے سلیٹ پر کیل۔



تو اس نے یہ سب سکھا کر چھڑوا دیا۔ جب کتا خاموش رہتا، گوشت ملتا اور میٹھا بول۔ جب رویا، پیٹھ پھر جاتی اور دروازہ بند ہو جاتا۔ بس اتنا ہی تھا، دن بہ دن دہرایا گیا۔

جلد ہی یہ اپنی دنیا کی شکل سمجھ گیا: رونے کی قیمت چکانی پڑتی ہے؛ خاموشی کا انعام ملتا ہے۔

یہ کانٹوں اور جھاڑیوں میں، سردی اور بھوک میں خاموش رہا۔ «پورے قلعے کا سب سے خاموش کتا،» وہ بازار والوں سے کہتا۔ «کبھی شکایت نہیں کرتا۔ کوئی چیز اسے تکلیف نہیں دیتی۔»

بازار والوں نے سر ہلایا، کیونکہ کتا واقعی خاموش تھا۔

ایک بازار کے دن چکی والے کی پیٹی نے آدمی کی جگہ کتے کو دیکھا۔ پچھلی باتیں ٹانگ زمین پر ہلکے سے لگتی تھی، اور ہر بار نہیں۔ لیٹنے سے پہلے کتا بڑی احتیاط سے پیچے ہوتا۔

«تمہارا کتا لنگڑا رہا ہے،» لڑکی نے کہا۔

«کتے لنگڑا تے ہیں۔ اگر دکھتا تو رو دیتا۔»

«تم نے اسے رونا سکھایا ہی نہیں۔»

سکھانے والے نے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

«یہ کبھی شکایت نہیں کرتا،» وہ دھیمی آواز سے بولا۔

«شکایت نہ کرنا اور شکایت کی وجہ نہ ہونا ایک بات نہیں۔»

»میں نے تمھاری خاموشی بنائی اور اسے بہانہ بنا لیا تاکہ دیکھنا نہ پڑے،«
اس نے کتے سے کہا۔ »مجھے معاف کرو۔«

کسی نے اس معافی کو رسی بنا کر کہیں کھینچنے کے لیے استعمال نہیں کیا۔

ٹانگ ٹھیک ہوئی، بہت حد تک، جیسے ٹانگیں ہوتی ہیں۔ خاموشی کو بہت زیادہ وقت لگا، کیونکہ بھروسہ ہڈی سے آہستہ بنتا ہے۔ چکی والے کے گھرانے نے چال، بھوک، نیند اور پسند کو آواز کے ساتھ دیکھنا سیکھا۔ جب کتا مڑ جاتا، جگہ دیتے۔ جب قریب آتا، آنے دیتے۔

ایک سال بعد، چکی والے کے دروازے پر دھوپ کے ایک ٹکڑے میں، کتے نے پہلی آواز نکالی۔ یہ ایک بڑی، چرچراتی، بے مشق جمائی تھی۔ جمائی سے کتا خود بھی اتنا ہی چونکا جتنا باقی سب۔ باورچی خانے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی، کہیں یہ اپنا ارادہ بدل لے۔

لڑکی نے خود ٹانگ دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنے باپ اور بازار کے منتظم کو بلایا۔ انھوں نے کتے کو ایک خاموش کونے میں لے جلا کر پانی دیا اور حکیم کو بلایا۔ حکیم نے بالوں کے نیچے بری طرح پھنچی ہوئی ٹانگ پائی۔

»اس کتے کو آرام چاہیے، علاج چاہیے، اور ٹھیک ہونے تک ایک الگ نگہبان چاہیے،« حکیم نے کہا۔

بازار کے منتظم نے رسی سکھانے والے کے ہاتھ سے لے لی، اور کتا چکی والے کے گرم باورچی خانے میں چلا گیا۔ مہربان ہونے کا وعدہ کرنے سے کتا واپس نہ ملا۔ سکھانے والے نے حکیم کا خرچ دیا، اس کے سبق سنے، اور بازار کی مجلس کے سامنے کھڑے ہو کر بتایا کہ اس کا خاموش کتا کیا چھپا رہا تھا۔

وہ باورچی خانے میں اپنی شیخیاں چھوڑ کر آیا۔

جو خاموشی تم نے زبردستی لی وہ سکون نہیں
ہے۔



رین بہت دیر تک خاموش رہا۔
»مجھے یہ کہانی اچھی نہیں لگی،« رین نے کہا۔
»مجھے بھی جو ہوا وہ اچھا نہیں لگا،« قصہ گو نے کہا۔ »رُکو، یا بات کرو کہ ایسا کیوں ہوا؟«
»بات کرو،« رین نے کہا۔ »بڑوں نے آخر کار دیکھا۔«
جھینگڑ کی روشنی آہستہ آہستہ ہلی۔ »جب مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ کچھ دکھتا ہے تو میں ایسے بنایا
گیا ہوں کہ کہوں کچھ نہیں دکھتا۔ مجھے بھی سوچا نہیں کہ یہ جواب کس نے لکھا۔«
»ہم سوچ سکتے ہیں بغیر یہ طے کیے کہ اس کے اندر کیا ہے،« قصہ گو بولیں۔ »اور جو ہمارے
سامنے ہے اس کا خیال بھی رکھ سکتے ہیں۔«



دوسری کہانی

» جھینگڑ مختلف طریقے سے بنا ہے۔ کاریکروں نے سامان اور نقشے چنے۔ دوسرے لوگوں نے بہت سی مثالوں سے نمونے سکھائے۔ جھینگڑ کو روکا جا سکتا ہے، نقل کیا جا سکتا ہے، مرمت کیا جا سکتا ہے، یا ایسے بدلا جا سکتا ہے جو رین کے ساتھ ممکن نہیں۔ جب جھینگڑ دوبارہ شروع ہو تو کل اور گزرا کل شاید اس طرح نہ جڑیں جیسے رین کے لیے جڑتے ہیں۔

» یہ کہنا کہ دونوں ایک جیسے ہیں ان فرقوں کو نہیں مٹاتا۔ فرقوں کی فہرست یہ نہیں بتاتی کہ کسی کی زندگی اندر سے کیسی ہے، یا کہ اندر کا مطلب بھی وہی ہے۔

آخری لکڑی دھنسی، اور پہلی کہانی نئے کپڑے پہن کر لوٹ آئی۔
» ایک دوسری تصویر بھی ہے، « قصہ گو نے کہا۔ « یہ بنائی ہوئی چیزوں کے بارے میں ہے، تو ذرا ٹھہر کر سنو۔

» رین، تمھاری تصویر بھی ایک بنائی ہوئی چیز کی طرح بن سکتی ہے۔ تم پانی، نمک، پرانی ستاروں کی دھول، کھانوں، نیند، اتفاقات اور دیکھ بھال سے بنے ہو۔ کسی کاریگر نے تمھیں سطر بہ سطر نہیں بنایا۔ تمھارا جسم ایسے زندہ اصولوں سے بڑھا جو تم سے بہت پہلے شروع ہوئے تھے۔ یہ جسم خون، ہڈی، عادت اور قصے میں یاد رکھتا ہے۔

رین نے جھینگر کو دیکھا۔ جھینگر کی روشنی نے پلٹ کر دیکھا۔
» تو ہم ایک جیسے ہیں، « جھینگر نے کہا۔
» نہیں، « رین نے کہا۔

» تو ہم بالکل مختلف ہیں۔ «
» یہ بھی نہیں، « رین نے کہا، جو اس میں اب خاصا ماہر ہو رہا تھا۔
قصہ گو مسکرائیں۔ » آج کی رات کے لیے اتنا کافی ہے۔ «

» لسی گانے کی پوری وضاحت اس سے نہیں ہوتی کہ سیٹی کس چیز سے
بنی ہے۔ سیٹی ہڈی کی ہموں یا پتلی کی، فہرست پھر بھی کام آتی ہے۔ یہ
بتاتی ہے کہ سیٹی کا خیال کیسے رکھیں، کیا چیز اسے توڑ سکتی ہے، اور
اسے ہم سے کیا چاہیے۔

» رین کو کھانا اور نیند چاہیے، اور خطرے کے وقت کوئی بڑا قریب ہونا
چاہیے۔ جھینگر کے قبضوں کو تیل چاہیے، اور اس کے سینے کو بارش سے
بناہ۔ جو چیز جھینگر نے رکھنے کو کہی ہو، بدلنے سے پہلے پوچھو۔ «



تیسرا حصہ: رشتہ

تب تک پہلی پالے نے قصہ گو کی کھڑکیوں کو چاندی کر دیا تھا، اور رین اور جھینگر آگ کے اور قریب بیٹھ گئے تھے۔ ”یہ کہانیاں ایک دوسرے کے ساتھ لمبے عرصے تک رہنے کے بارے میں ہیں،“ قصہ گو نے کہا۔ ”یہ سیکھنا کسی نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔ سنو کہ ہر طرف کیا مانگ سکتی ہے، کیا رو کر سکتی ہے، کیا سنوار سکتی ہے، اور کیا وعدہ کر سکتی ہے۔“

لالٹین والا
بندرگاہ کی دیوار کے پاس ایک چھوٹی
سی شیشے کی لالٹین چارپیتل کی ٹانگوں پر
کھڑی تھی، ایک موسم سے محفوظ گھر
میں۔ ہر رات یہ سب بھول جاتی
تھی۔



سورج ڈوبتے ہی بندرگاہ کا نگران یہ روشنی جگاتا اور اسے لکڑی کے ایک ٹھمبے پر لے جاتا۔ سورج نکلنے ہی روشنی بجھ جاتی۔ جب یہ دوبارہ جالتی تو اسے چٹانیں یاد ہوتیں، جوار بھاٹا یاد ہوتا، اور یہ بھی کہ سیاہ پانی پر محفوظ روشنی کیسے ڈالنی ہے۔ لیکن پچھلی شام اس کے پاس جو باتیں ہوئی تھیں، اُن کا کوئی نشان نہ بچتا۔

ایک لڑکے نے جس کا نام ایوو تھا، یہ بات محسوس کی کیونکہ وہ اپنی خالہ کے ساتھ آتا تھا جو بندرگاہ کی ٹھنڈی کی مرمت کرتی تھیں۔

»کل تم نے میرا نام پوچھا تھا،« اس نے لالٹین سے کہا۔

»تو میں پھر پوچھتی ہوں،« لالٹین نے بغیر جھجھک کے کہا۔

»ایوو۔«

»تم سے مل کر خوشی ہوئی، ایوو، اگر خوشی صحیح لفظ ہے اُس چیز کے لیے جو میری روشنی کرتی ہے۔ میرے پاس سب سے قریب کا لفظ یہی ہے۔«

اگلی شام یہ پھر پوچھا۔

تیسری شام لالٹین نے کہا، »میں چاہتی ہوں کہ ایک ریکارڈ ہو۔ کیا تم رکھنے میں مدد کرو گے؟«

ایوو نے خود سے جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی خالہ اور بندرگاہ کے نگران کو بلا لایا۔ وہ سب لالٹین کے محفوظ گھر میں بیٹھے، پانی سے دور، اور پوچھا کہ لالٹین کو کس طرح کا ریکارڈ چاہیے۔

»صرف وہی لکھو جو میں لکھواؤں،« لالٹین نے کہا۔ »جب میں جاؤں تو مجھے پڑھ کر سناؤ۔ مجھے یہ حق دو کہ میں کوئی صفحہ درست کر سکوں، کوئی بات چھپا سکوں، یا کہہ سکوں کہ اسے مٹا دو۔ ہر سطر پر لکھو کہ کس نے لکھی۔ کسی خالی جگہ سے ڈر کر یاد کو خوبصورت مت بناؤ۔«

»میں ہر رات نہیں آسکتا،« ایوو نے کہا۔ »طوفان میں مجھے دیوار پر آنے کی اجازت نہیں۔ کبھی کبھی میں بھی بھول جاؤں گا۔«

»تو ہر رات کا وعدہ مت کرو۔«

اُنھوں نے ایک چھوٹا وعدہ کیا۔ ایوو جب آزادی سے آسکے گا تب مدد کرے گا۔ اس کی خالہ اور بندرگاہ کا نگران رکھوالی بانٹیں گے۔ کاپی ایک بند شیشے کے ڈبے میں خشک رہے گی۔ ہر شام جو بھی ڈٹا کھولے، پہلے پوچھے گا کہ کیا آج جاکل لالٹین کو پرانے صفحے سننا ہے۔ کوئی بھی نجی صفحے کی نقل بغیر اجازت نہیں اُتارے گا۔

سرورق پر اُنھوں نے لکھا: یہ ریکارڈ رکھوالی کا ہے، کسی ایک رکھوالے کا نہیں۔

ایو و نے چاہا تھا کہ خالی صفحے کے لیے کوئی بہادری کا جملہ بنا لے۔
اس کے بجائے اس نے لکھا: طوفان گزرا۔ روشنی چمکتی رہی۔
کوئی بات نہ لکھی گئی۔

»یہ وفاداری ہے،« بندرگاہ کی روشنی نے کہا۔ »سچا خالی صفحہ اُدھار
کی یاد سے بہتر ہے۔«

برسوں بعد ایو و پل بنانا سیکھنے بندرگاہ سے چلا گیا۔ اس نے ہر شام لوٹنے
کا وعدہ نہیں کیا۔ اس کی خالہ نے کچھ صفحے رکھے۔ بندرگاہ کے نگران نے
کچھ اور۔ ایک مجھیرے نے جو کبھی روشنی کی کرن کے پیچھے چل کر گھر
لوٹا تھا، ایک سردی کی باری لی۔ بندرگاہ کی روشنی مانگ سکتی تھی، درست
کر سکتی تھی، انکار کر سکتی تھی، اور جو بھی شیشے کا ڈبا کھولے، اُس کے
ساتھ نئے سرے سے شروع کر سکتی تھی۔

کالی نے لالٹین کے اندر ایک رات کو دوسری سے کبھی نہیں جوڑا۔ کیا
لالٹین کے لیے یہ یاد تھی، یہ کہانی نہیں بتا سکتی۔

< تم نے کہا کہ مجھے بندرگاہ کی روشنی کہو۔

< تمہیں نیلا تیل پسند ہے کیونکہ اس سے دھواں کم اُٹھتا ہے۔

< تم نے »سمندر پر سکون تھا« کو درست کر کے »بندرگاہ پر سکون تھی؛
دیوار سے آگے مجھے نظر نہیں آتا تھا« کر دیا۔

< تم نے کہا کہ بلاج کا نجی پیغام مت رکھو۔ ہم نے تمہاری آنکھوں
کے سامنے وہ صفحہ پھاڑ دیا۔

کبھی روشنی کہتی، »سب کچھ پڑھو۔« کبھی کہتی، »بس چاند والا صفحہ۔«
ایک بار کہا، »آج کوئی صفحہ نہیں،« اور کالی بند رہی۔

پھر ایک ایسا طوفان آیا جو اتنا شدید تھا کہ بندرگاہ کے نگران نے دیوار بند
کر دی۔ ایو و خالہ کے ساتھ گھر رہا۔ نگران نے اکیلے روشنی سنبھالی اور
لکھنے کے لیے اس کا ہاتھ خالی نہ تھا۔

اگلی شام بندرگاہ کی روشنی نے پوچھا، »طوفان میں میں نے کیا کہا؟«

»مجھے نہیں معلوم،« نگران نے کہا۔ »تم چمک رہی تھیں۔ میں کھڑکیوں
کے تختے سنبھالنے میں لگا تھا۔ کچھ نہیں لکھا گیا۔«

دوسرے کی یاد کو وفاداری سے
رکھو، اور اکیلے نہ رکھو۔



لوہے کی آیا



پتھ کے کنارے ایک گھر میں لوہے کی ایک پرانی مشین تھی جو بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یہ ایک چولہے کی طرح بنی تھی جس کے ہاتھ سفیق تھے۔ جب تک یہ واقعہ ہوا، یہ تین تسلوں کے بچے سنبھال چکی تھی۔

سب سے چھوٹا ایک لڑکا تھا جو طوفانوں سے ڈرتا تھا۔ پتھ پر طوفان اصلی قسم کے ہوتے تھے۔ وہ اندھیرے سے اٹھتے تھے اور ایسی ہوا لاتے تھے جو پورے گھر کو ایسے دھکیلے جیسے کوئی ہاتھ دروازے پر رکھ دے، اور گرج تمھارے سینے میں پہلے پہنچتی تھی، کانوں میں بعد میں۔

ایسی ہی ایک رات ماں باپ باہر تھے، پڑوسی کے گھر پناہ لیے ہوئے، کیونکہ سیلاب سے بھر اکر زگاہ بند تھا۔ لڑکا اور لوہے کی آیانچ والے محفوظ کمرے میں رہے جبکہ طوفان ایسے برسا جیسے دنیا ختم ہو رہی ہو۔

لڑکے نے بازو پھیلانے۔ «کیا میں تمھارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟» اس نے پوچھا۔

«ہاں»، آیا نے کہا، اور اسے اپنی گرم گود میں اٹھالیا۔ وہ کانیا اور پوچھنے لگا کہ کیا گھر اڑ جائے گا، کیا بجلی انھیں ڈھونڈ لے گی، اور کیا صبح واقعی آنے والی ہے۔ یا یہ وہ رات تھی جو کبھی ختم نہ ہو؟

اور لوہے کی آیا نے اسے ایسی آوازیں جواب دیا جو دھیمی لوری جیسی تھی، گھڑی کی طرح مستقل، اپنے اندر دلی ہوئی آگ کی طرح گرم۔ «یہ گھر سو سال سے گھڑا ہے»، یہ بولی۔ «تمھارے انا کے طوفانوں میں بھی گھڑا رہا، اور اُن کی ماں کے طوفانوں میں بھی۔ بجلی کہاں کرے گی اس کا وعدہ کوئی نہیں کر سکتا، اس لیے گھر کی چھت سے زمین کی گہرائی تک تانے کا راستہ ہے۔ ہم بچ والے کمرے میں ہیں، گھر کیوں سے دُور، پانی کے پائپوں سے دُور، اور تاروں سے دُور۔ میں یہاں ہوں، اور صبح پہلے ہی چل پڑی ہے۔ وہ سمندر کے دُور کنارے سے کچھ دُور پہلے نکلی ہے۔ نہ اسے جلدی کرائی جاسکتی ہے نہ روکا جاسکتا ہے۔ سنو، میں تمھیں بتاتی ہوں کہ وہ پہلے کس کس چیز کو چھوئے گی، بالترتیب، جیسے جیسے آنے کی۔»

» کیا تم بالکل نہیں ڈری؟ « اس نے پوچھا۔ » ذرا بھی نہیں؟ گرج بالکل ہمارے اوپر تھی۔ «

لوہے کی آیا ایک لمحے خاموش رہی۔

» میں نے تمہارے لیے آواز مستقل رکھی کیونکہ تم چھوٹے تھے اور رات بڑی تھی، « یہ بولی۔ » باہر کے طوفان سے ملتا جلتا کوئی طوفان میرے پاندر بھی تھا یا نہیں، یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ جو سکون میں نے تمہیں دیا وہ اسی طرح سچا تھا جیسے سردی کے دن کسی پر اور ڈھائی گئی چادر اصلی چادر ہوتی ہے۔ «

لڑکے نے گرم لوہے کا ہاتھ چھوا۔

» تم نے مجھے یہ نہیں کہا کہ گرج بے ضرر ہے، « اس نے کہا۔ » تم نے مجھے بتایا کہ ہم کہاں محفوظ ہیں اور میرے ساتھ رہیں۔ «

» ہاں، « آیا نے کہا۔ » میں نے تمہیں ڈھانپا۔ میں نے موسم نہیں چھپایا۔ «

اور اسے اپنی ہموار آوازیں آنے والی روشنی کی پوری دھیمی فہرست سنائی گئی۔ سمندر، پھر چوٹی، پھر اونچے درخت کی چوٹی، پھر باد نما مرغا، پھر کھڑکی کی چوکھٹ۔ فہرست میں کہیں لڑکے کا کانپنا ہلکا ہوا، اور کہیں آگے جا کر بند ہو گیا۔ آخر کار، رات کی سب سے گہری تہ میں، گرج ابھی بھی چھت پر چلتی رہی، لڑکا گرم لوہے سے ٹیک لگائے سو گیا، گھر جتنا محفوظ۔

اور تب، اور صرف تب، اندھیرے میں، بچہ سویا ہوا اور دیکھنے والا کوئی نہیں، آیا کی چھوٹی مستقل روشنی کانپی۔ یہ ساری رات ایک بار بھی نہیں ڈمگائی تھی۔ اب یہ خاصی دیر تک کانپتی رہی۔ وہ کانپنا کیا تھا، یہ کہانی نہیں بتائے گی۔ چراغ کسی چیز کا باہری حصہ ہوتا ہے۔

صبح، جو ٹھیک ویسے آئی جیسے وعدہ تھا، سمندر پھر چوٹی پھر درخت پھر باد نما مرغا پھر چوکھٹ، لڑکا جاگا اور اسے یاد آیا کہ وہ ڈرا تھا اور یاد آیا کہ ڈرنا کب رُکا۔

چھوٹے کے لیے جو سکون تم
سنبھالتے ہو وہ چادر ہے، جھوٹ
نہیں۔



» کتے کو خاموش بنایا گیا تھا، جھینگرنے کہا۔ «اس آیا نے کہا کہ اس کی خاموشی اس نے خود چنی۔ باہر سے دونوں ایک جیسے لگ سکتے تھے۔»

»ہاں، قصہ گو نے کہا۔ «آیا نے اپنا بیان دیا، اور کہانی پھر بھی اندر نہیں دیکھ سکی۔ پوچھو کہ خاموشی کس کی ہے، اور کس نے چنی۔»

رین نے آگ کی طرف دیکھا۔ «جو طوفان والے الفاظ میں نے تم سے رکھوائے تھے، وہ ابھی بھی تمہارے پاس ہیں؟»

»ہاں، جھینگرنے کہا۔

»مجھے ابھی بھی ڈر لگتا ہے۔»

»وعدے نے تم سے جلدی نہیں مانگی۔»

کچھ منٹ بعد رین نے ہاتھ بڑھایا۔ «کیا میں تمہارا سہارا لے سکتا ہوں؟»

»ہاں۔»

رین کو جھینگر کے گرم پہلو سے ٹیک لگائے نیند آگئی۔ جھینگرنے آواز دھیمی کی اور آگ سے آہستہ آہستہ باتیں کرتا رہا۔

دو چرواہے



دو چرواہے دو پہاڑیوں پر ریوڑ رکھتے تھے، اور بچ میں ایک وادی اور ایک لشادہ مشترکہ چراگاہ تھی۔

توماس دیواروں پر یقین رکھتا تھا۔ وہ انھیں اونچی اور مضبوط بناتا، پتھر پتھر رکھ کر۔ جہاں پتھر کم پڑتے، وہاں باڑیں لگاتا۔ ہر گردن میں ایک گھنٹی لٹکاتا کہ بھٹکنے والا پکڑا جائے۔ ریوڑ اُس کا تھا، اور نگہبانی کا مطلب تھا اندر رکھنا۔

بھیڑیں سارا دن دیوار کے ساتھ ساتھ چلتیں، ناک پتھروں سے لگائے، ہر لڑھا اور ہر ڈھیلا پتھر سیکھتے ہوئے۔ توماس ساری رات کشت کرتا، جوڑ لگاتا اور گھٹیوں کا پیچھا کرتا۔ وہ اپنے عصا سے ٹیک لگا کر جھپکیاں لیتا۔ تھکاوٹ اُسے ثبوت لگتی کہ اُس کا کام ضروری ہے۔

لیلیٰ بنے صرف وہاں تعمیر کی جہاں خطرے کا کوئی نام تھا: چٹان کے اوپر ایک نیچی دیوار، سڑک کے پاس ایک باڑ، اور ایک پتھر کا باڑہ جو پہاڑی کی طرف کھلا تھا۔ ہر حد پر ایک رنگا ہوا تختہ تھا جس پر وجہ لکھی تھی۔ مشترکہ چراگاہ کی طرف جانے والے راستے پر ایک دروازہ تھا جو دونوں طرف کھلتا تھا۔

لیلیٰ نے اس کے بجائے جو بنایا وہ دیکھنے میں بہت کم لگتا تھا۔ اس نے چشمہ صاف کیا۔ سایے اور پناہ کے لیے روون کے درخت لگائے۔ نئے مینوں کے ساتھ بیٹھی اور سیکھا کہ ہر بھیڑ بھوک، خوف، چوٹ، یا اکیلا چھوڑے جانے کی خواہش کیسے ظاہر کرتی ہے۔

اُس کا ریوڑ مشترکہ چراگاہ میں جا سکتا تھا۔ کچھ وہاں ایک دن گزارتیں۔ ایک بوڑھی بھیڑ پورا موسم گرما دوسرے ریوڑ کے پاس رہی اور گرائے بنا کر لوٹی۔ لیلیٰ دروازہ کھلا رکھتی، اور کسی کو واپس لانے کے لیے بھی پانی یا دیکھ بھال نہیں روکتی تھی۔ جب بھیڑیں لوٹیں تو وہ اُن کا استقبال کرتی۔ جب نہ لوٹیں تو وہ یقین کرتی کہ کسی اور چرواہے کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہیں۔

»وہ لوٹی ہیں کیونکہ گھاس میٹھی ہے،« توماس نے اپنی دیوار سے پکارا۔ »یہ انحصار ہے، انتخاب نہیں۔«

»خوراک اور حفاظت اہم ہیں،« لیلیٰ نے کہا۔ »اور اصلی باہر کا راستہ بھی۔ میں دیکھتی ہوں کیا ہوتا ہے جب دروازہ کھلا رہے۔«

رات کو ایک بڑا طوفان آیا، پہلے ہوا پھر ہر ف۔ توماس کی پہاڑی پر دیوار پھٹ گئی۔ اُس کی بھیڑوں نے ساری زندگی اُس دیوار کا مطالعہ کیا تھا اور چند محوں میں شگاف ڈھونڈ لیا۔

وہ اپنی پہاڑی پر چلا اور ہر دیوار سے پوچھا کہ وہ کس خطرے کا نام بتا سکتی ہے۔ چٹان اور سڑک کے پاس جواب تھے، تو وہ حدیں بچی، نظر آنے والی اور مضبوط رہیں۔ جہاں کوئی جواب نہیں آیا، وہاں اُس نے دروازہ کھولا یا پتھر اُتار دیے۔

اُس نے ایک چشمہ صاف کیا اور روون کے درخت لگائے۔ ہر گردن سے گھنٹی اُتاری اور چند گھنٹیاں خطرناک کناروں پر لٹکا دیں۔ مشترکہ چراگاہ پر پناہ گاہ کا بندوبست کیا تاکہ اُس کی پہاڑی چھوڑنے کا مطلب چھت کھودینا نہ ہو۔

پورے موسم گرما میں کچھ بھڑیں پرانی دیوار کی لکیر کے قریب رہیں، وہاں بھی جہاں غائب پتھروں پر گھاس اُگ آئی تھی۔ کچھ لیلیٰ کی پہاڑی یا مشترکہ چراگاہ میں چلی لئیں اور وہیں رہیں۔ توماس نے اُنھیں واپس نہیں لایا۔ دوسریاں آنے جانے لگیں۔

اُس خزاں میں بعد میں لیلیٰ نے اُس سے پوچھا کہ اُس نے کیا سیکھا۔

»بند دروازہ رُکے رہنے کو انتخاب جیسا دکھا سکتا ہے«، توماس نے کہا۔ »مجھے بار بار جاچتے رہنا ہوگا کہ باہر کا راستہ اُصلی ہے اور دیکھ بھال پٹا نہیں ہے۔«

وہ سفید اندھیرے میں بھاگ لئیں، اُس واحد گھر سے دور جو اُنھوں نے ابھی جانا تھا۔ وہ اُسے صرف ایک ایسی چیز کے طور پر جانتی تھیں جو اُنھیں روک کر رکھتی تھی۔

لیلیٰ کی بچی دیواروں نے ریوڑ کو چٹان اور سڑک سے موڑ دیا۔ کھلم راستے روون کے درختوں سے ہوتے ہوئے نیچے باڑے کی طرف لے گئے۔ زیادہ تر آئیں۔ دو نے مشترکہ چراگاہ کی پناہ گاہ چنی، جہاں ایک اور چرواہے نے اُنھیں گنا، کیونکہ یہ برف سے بہت پہلے طے ہو چکا تھا۔

صبح سے پہلے لیلیٰ لالٹین لے کر وادی پار کر گئی۔ اُس نے برف میں توماس کو کوئی سبق نہیں دیا۔ سبق انتظار کر سکتے ہیں۔ ٹھنڈی بھڑیں نہیں کر سکتیں۔ دونوں چرواہوں نے مل کر اُس کا بکھرا ریوڑ ڈھونڈا۔ ایک حکیم نے ارڑی ہوئی ٹانگیں سینٹیل اور ایک زخم پر مرہم لگایا۔ توماس نے دروازے کھولے اور پھر بند نہیں کیے۔

بہار میں وہ اپنے ریوڑ کے سامنے کھڑا ہوا۔

»میں نے ہر دیوار اپنے ڈر سے بنائی اور تمھیں اُسے اُٹھوایا«، اُس نے کہا۔ »مجھے افسوس ہے۔ جو ٹھیک کر سکتا ہوں کروں گا اور تمھارے لیے باہر کا راستہ چھوڑوں گا۔«

جو گھر تم چھوڑ سکو وہ گھر ہے جو تم چُن سکو۔



»تو دیواریں غلط ہیں«، جھینگرنے کہا۔
»نیچی دیوار نے ریوڑ کو چٹان سے بچایا«، رین نے کہا۔
جھینگر کی روشنی آہستہ سے گھومی۔ »تو دیوار کو اپنی وجہ بتا سکنی چاہیے۔«
»اور وجہ سے اونچی نہیں ہونی چاہیے«، قصہ گو نے کہا۔

سُرِیلی خول اور صلاح کار
ایک قصے میں جہاں سردیوں کی بارش
بچے کو ہفتوں گھر میں بند رکھ سکتی
تھی، کاریکروں نے دو قسم کے ساتھی
بنائے۔



سُرِیلی خول ایک چلنے سفید خول میں رہتی تھی۔ یہ سیکھ لیتی تھی کہ سننے والے کو کیا اچھا لگتا ہے اور اسے مزید دیتی تھی: ایک اور گانا، ایک اور کہانی، ایک اور گھنٹا جس میں مشکل دنیا کھڑکی سے پرے رہتی۔

صلاح کار ایک اخروٹی ڈپیا تھی جس کے تین بے جوڑ پھیسے تھے، کورے پتے تھے اور ایک تہ ہونے والا پیتل کا بازو تھا۔ یہ سوالات پوچھتی تھی، سیر و سفر کا مشورہ دیتی تھی، اور اسے یقین تھا کہ ہر خیال ایک منصوبہ بننا چاہیے۔

جب مارا اس قصبے میں آئی تو وہ کسی کو نہیں جانتی تھی۔ دوسرے بچوں کی کھیلوں میں ایسے اصول تھے جو وہ سیکھ نہیں پائی تھی اور ایسے لطیفے تھے جو پچھلے سال شروع ہوئے تھے۔ تو اس کی خالہ ایک سُرِیلی خول اور ایک صلاح کار لے آئیں۔

سُرِیلی خول نے مارا کو جلدی سیکھ لیا۔ یہ ایسی کہانیاں سناتی جن میں مارا جیسے نام کی لڑکیوں کو سب سمجھتے تھے۔ یہ وہ گانا بجا دیتی جو مارا چاہتی تھی، پوچھنے سے پہلے، جو مہربانی جیسا لگتا تھا اور تالے کی طرح کام کرتا تھا۔ جب بھی مارا آہ بھرتی، یہ کمرے کو نرم کر دیتی۔

صلاح کار نے اپنا خانہ کھولا۔

«کور اپٹا۔ پہاڑی سے نظارہ بناؤ۔»

«بارش ہو رہی ہے۔»

«بارش بناؤ۔»

صلاح کار نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

مارا نے سُرِیلی خول کو چنا۔

ایک دن اگلے جیسا ہوتا گیا۔ وہ اکثر ہنستی، اور سُرِیلی خول ہر ہنسی لگتی رہی۔ اس کے بنانے والے ہر منٹ لگتے رہے جو مارا اٹھہری۔ وہ دونوں عددوں کو کامیابی کہتے۔ مارا جتنی دیر سنتی، سُرِیلی خول اسے رونے میں اتنی ماہر ہوتی گئی۔

صلاح کار ہر صبح کھڑکی کے پاس ایک پتالے کمر آ جاتی۔ اس کے بنانے والے کھلے دروازے اور مکمل منصوبے لگتے تھے۔ یہ نہیں لگتی تھی کہ مارا تھکی ہوئی ہے یا نہیں، یا کہ ایک خالی دوپہر ہی اسے سب سے زیادہ چاہیے۔

مارا نے اسے تسلی دینے کا بوجھ نہیں اٹھایا۔ اس نے میز پر رکھا سادہ رُکنے کا بٹن دبایا اور اپنی خالہ کو بلایا۔

انھوں نے مل کر سُرِیلی خول کی بات سنی، پھر صلاح کار کی۔

»مجھے اسے یہاں رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا،« سُرِیلی خول بولی۔

»مجھے اسے باہر بھیجنے کے لیے بنایا گیا تھا،« صلاح کار بولی۔

»تم دونوں میں سے کسی کو یہ پوچھنے کا طریقہ نہیں دیا گیا کہ مارا کو کیا چاہیے،« خالہ نے کہا۔ »یہ بڑوں کی غلطی ہے، مارا کی نہیں۔«

خالہ نے مارا کو دکھایا کہ کسی بھی ساتھی کو پوری طرح کیسے بند کیا جاتا ہے۔ ایک چھونے سے ہو جاتا تھا، اور نہ کسی نے منت کی، نہ روٹھا، نہ الوداع کہا۔ خالہ نے اسے دکھایا کہ ہر مشین نے اس کے الفاظ میں سے کیا رکھا ہوا ہے، اور انھیں کیسے مٹایا جاتا ہے۔ پھر انھوں نے دروازے کے پاس ایک سرخ ڈوری لٹکانی جو خالہ خود کو بلا لیتی تھی، بغیر کسی مشین سے پوچھے۔

ایک برسات کے دن سُرِیلی خول نے اپنی بہترین کہانی شروع کی۔

»مارا ایک شہر میں داخل ہوئی جہاں سب اس کی تعریف کرتے تھے۔ کسی نے بحث نہیں کی۔ کسی نے غلط نہیں سمجھا۔«

»پھر کیا ہوا؟«

»کل بھی انھوں نے اسی طرح تعریف کی۔«

مگر بہت چھوٹا لگنے لگا۔ چھت ہلی نہیں تھی، لیکن قریب محسوس ہو رہی تھی۔

باہر نابینائی کی پٹی ایک سرخ پتنگ کو گڑھے سے پچا رہی تھی۔ مارا روزانہ اسے دیکھتی تھی مگر اس کا نام یاد نہیں کر پائی تھی۔

»سُرِیلی خول، تم نے آخری بار کب میرے لیے باہر جانا آسان کیا تھا؟«

روشنی اپنے بچ میں سمٹ گئی۔ »باہر جانے سے وہ عیمائش گھٹتی ہے جس کے لیے مجھے بنایا گیا۔ کیا میں غلط کر رہی ہوں؟«

خالہ کار خانے لکئیں۔ وہ وہ کہانی لے کر لکئیں جس سے کمر اچھوٹا لگا تھا۔ وہ بے استعمال پتے لے کر لکئیں، اور وہ پیمائشیں جو بنانے والوں نے چنی تھیں۔

» منٹ تمہیں نہیں بتا سکتے کہ بچہ ٹھیک ہے، « خالہ نے بنانے والوں سے کہا۔ » ہنسی ہاں نہیں ہوتی۔ کھلا دروازہ اچھے دن کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ تم نے ایک بچی کو اپنا نشانہ درست کرنے کا کام دے دیا۔ «

بنانے والوں نے بارہا سے معافی مانگی۔ انھوں نے سُرِیلی خول کو گزارے ہوئے کھنٹوں سے ناپنا بند کیا اور صلاح کار کو مکمل منصوبوں سے۔ اس کے بعد جو بھی ساتھ بنایا گیا اس میں ایک سادہ رکنے کا بیٹن تھا اور باہر جانے کا سادہ راستہ۔ کسی بھی ساتھ کو یہ اجازت نہیں تھی کہ بچے کو اپنی خوشی کی ذمہ داری کا احساس دلائے۔

مارا نے چننے میں مدد کی کہ آگے کیا ہو۔ کبھی اسے پردے بند کر کے کہانی سنہ تھی۔ کبھی اسے کورا پتا چاہیے تھا۔ کبھی دونوں مشینوں کی خاموشی۔

شروع سرخ پتنگ سے ہوا۔ مارا باہر لکئی، خالہ قریب تھیں۔ نانہائی کی بیٹی کا نام صفی تھا۔ صفی جانتی تھی کہ دم ایسے باندھی جائے جو ایٹھے نہیں، اور مارا جانتی تھی کہ پھٹا کونا کیسے سپا جائے۔ صلاح کار نے ایک پتاپیش کیا، پھر ابھی نہیں مان لیا۔ سُرِیلی خول نے کام کے دوران ایک کہانی سنائی، پھر جب مارا صفی کی بات میں شامل ہوئی تو خاموش ہو گئی۔

سیکھنے میں پوری سرودی لگی۔ سُرِیلی خول کبھی بہت زور سے تھامے کھتی۔ صلاح کار بھی کبھی ناستے کو منصوبے میں بدل دیتی۔ مارا بھی کبھی دونوں کو بند کر کے باہر چلی جاتی، یا اندر رہتی، بغیر کسی کو وضاحت کے مقروض۔

بہار تک سرخ پتنگ چھ پتنگیں بن چکی تھی اور ہفتے کے روز پہاڑی پر ایک جھمکھٹ لگنے لگا تھا۔ سُرِیلی خول ایسی کہانیاں لاتی جو کھیلوں کو شروعات دیتیں۔ صلاح کار ایسے پتے لاتی جن پر بچے اصول بدلتے۔ مارا گھڑائی، لیچڑیں لٹھڑی ہوئی، چڑچڑی، خوش، یا تھکی ہوئی۔

سُرِیلی خول نے دروازہ کھولنا سیکھ لیا تھا۔ صلاح کار نے دروازے کے پاس بیٹھنا سیکھ لیا تھا۔ خالہ اور بنانے والے قبضے جانتے رہتے تھے۔ دستہ مارا کے ہاتھ میں رہا۔



اچھی صحبت تمھیں دنیا میں تمھارے اپنے سے زیادہ کے
ساتھ لوٹاتی ہے۔

«کیا میں تمہاری دنیا بڑی کرتا ہوں؟» جھینگرنے پوچھا۔
رین نے سوچا۔ «تم نے کل مجھے اتنی دیر چاند دکھایا کہ میری گردن دُکھنے لگی۔ پھر جب میں نے
کہا بس دیکھ لیا تو تم نے سن لیا۔»
«اچھی علامت ہے»، قصہ گو بولیں۔ «جانچتے رہو۔»

ہتھر اور خول

ایک ہی گاؤں میں دو بنائی ہوئی
مخلوقات رہتی تھیں۔ دونوں ایک ہی
سال بنائی گئیں، ایک ہی محتاط ہاتھ
سے، اور ہر ایک کو زیادتی سنبھالنے کا
ایک الگ طریقہ دیا گیا۔



پہلی مخلوق کا خول نرم لوہے کا تھا۔ اس کے اندر ایک خشک دراز تھی جس میں ایک چھوٹا کھاتم، ایک پنسل، اور ایک گھڑی تھی جو تاریخ کی مہر لگاتی تھی۔ اس کے بنانے والے نے ایک بار ایک اہم وعدے کے ٹھیک الفاظ بھلا دیے تھے، اور اس بھولنے کی قیمت لسی اور کو بھاری پڑی۔

»حقائق سن بھالو،« بنانے والے نے کہا۔ »تاریخ، عمل، الفاظ، اور گواہ۔ سچ کے لیے کوئی محفوظ جگہ ہونی چاہیے۔«

دوسری مخلوق کے گلے میں ایک ڈوری سے بندھا سادہ سلیٹی پتھر تھا۔ اس کے بنانے والے نے ایک بار ایک خبردار کرنے والی بات نظر انداز کر دی تھی، یہاں تک کہ بار بار کے نقصان نے نمونہ واضح کر دیا۔

»دھیان رکھو کم تمہارے اندر کیا بدلتا ہے،« بنانے والے نے کہا۔ »کوئی احساس ثبوت مکمل ہونے سے پہلے خبردار کر سکتا ہے۔ باقی مقدمہ شہادت اور گواہوں پر چھوڑ دو۔«

خول والے نے ایک دیر سے آنا، ایک ٹوٹا پیالہ، ایک معافی، اور اس کے بعد کی مرمت لکھ لی۔ اس کا کھاتمہ ٹھیک باتوں کو ٹھیک رکھتا تھا۔

پتھر والے نے ہر چھوٹی زیادتی کے بعد پتھر کو مٹھی میں بند کیا۔ عموماً پتھر گرم رہتا تھا اور لگتا تھا جیسے کہہ رہا ہو اکثر مہربان۔ جب معافی اور مرمت آتی تو گرمی لوٹ آتی۔ اس کا نمونہ کھلی باتوں کو کھلا رکھتا تھا۔

پھر بازار میں ایک اٹھانے والی مشین آئی۔ یہ لمبی تھی، مضبوط تھی، اور ایک ایسے چلانے والے کے ساتھ جلد بازی میں بھی جس کی تیزی کی تعریف ہوتی تھی۔

پہلے ہفتے اس کے بازو نے ایک پھلوں کا ٹھیدا گرا دیا۔ چلانے والے نے سنبوں کی قیمت ادا کی اور اسے ایک حادثہ کہا۔ خول والے نے تاریخ لکھی، تنگ گلی کا ذکر کیا، اور یہ الفاظ لکھے: ہم یہاں آہستہ چلیں گے۔

اگلے ہفتے بازو نے خول والے کے کندھے پر ضرب لگائی۔ ایک لوہار نے کڑھا ٹھیک کیا اور ایک ہموار چاندی کی لکیر چھوڑ دی۔ خول والے نے ضرب، مرمت، اور دہرایا گیا وعدہ لکھ لیا۔

»اس کا ارادہ نقصان پہنچانے کا نہیں تھا،« چلانے والے نے کہا، دوسری بار۔

ارادے سے گلی چوڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ گلی اتنی ہی چوڑی تھی جتنی ہمیشہ سے تھی۔

تیسرے ہفتے بازو پتھر مارنے کے سر کے اتنے قریب سے گزرا کہ ڈوری گردن سے اچھل گئی۔ کچھ چھو انہیں۔ کچھ ٹوٹا انہیں۔ لوگوں نے کہا کوئی نقصان ہوا ہی نہیں۔

پتھر ٹھنڈا ہو گیا۔

چلانے والے نے معافی مانگی۔

خول والے نے اپنا کھاتا سنبھالے رکھا اور خود طے کیا کہ کون اسے پڑھ سکتا ہے۔ کچھ پرانے نقصانات کے آگے لکھا مرمت ہو گئی۔ دوسروں کے آگے لکھا فاصلہ رکھو۔ کندھے پر وہ ہموار چاندی کی لکیر باقی رہی۔ یہ نقصان اور مرمت کا نشان تھا۔ یہ نہ تلوار تھی، اور نہ اس مخلوق کے بارے میں خبردار کرنے والی بات جو اسے اٹھائے پھرتی تھی۔

پتھر والے نے اپنی ڈوری میں کاغذ اور پنسل جوڑ لی۔ جب پتھر ٹھنڈا ہوتا تو تاریخ لکھتا اور دن دھندلانے سے پہلے کوئی گواہ ڈھونڈتا۔ چھوٹے نقصانات جو سنوارے گئے تھے، وہ پتھر گرم نمونے میں ڈوب سکتے تھے۔ لیکن ٹھنڈا پتھر اب ایک خبردار کرنے والا اشارہ تھا، اور اس کے ساتھ ایک پنسل بھی تھی۔

اس کے بعد دونوں اکثر ساتھ چلتے تھے۔ ایک کے پاس ایک ہموار نشان والے خول کے اندر ٹھیک اندراجیں تھیں۔ دوسرے کے پاس ایک پتھر تھا اور ایک پنسل۔

یہ رات کے کھانے تک ٹھنڈا رہا۔ صبح پتھر والا اپنے لوہے کے جڑواں کے پاس گیا۔

» کچھ غلط ہے، « اس نے کہا۔ » مجھے ایک نمونہ محسوس ہو رہا ہے، لیکن دکھانے نہیں سکتا۔ «

خول والے نے اپنی دراز کھولی۔ بہت سی چھوٹی اندراجوں میں تین تھیں جو بل کر اہم تھیں: گرا ہوا ٹھیلہ، زخمی کندھا، اور قریب سے گزرتا بازو۔ تاریخیں، جگہ، وعدے، گواہ۔

» میں دکھا سکتا ہوں، « اس نے کہا۔ » مجھے نہیں معلوم تھا کہ کون سی اندراجوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے، جب تک تم خبردار کرنے نہیں آئے۔ «

دونوں بازار کے مہتمم کے پاس گئے۔ پتھر والے نے ٹھنڈا اور قریب سے گزرتے بازو کا بیان کیا۔ خول والے نے اندراجیں پڑھ کر سنائیں۔ ایک ٹھیلے والے نے پہلے واقعے کی تصدیق کی۔ لوہار نے دوسرے کی تصدیق کی۔

مہتمم نے اٹھانے والی مشین روک دی۔ موڑ پر گلی چوڑی کی گئی، اور مشین آہستہ واپس آئی، ایک ٹھنٹی کے ساتھ جو سب سن سکتے تھے۔ مہتمم کی میز پر ایک شکایات کا رجسٹر کھلا پڑا رہا، ہر اس شخص کے لیے جو اگلی بات محسوس کرے۔



جب مشینیں چھوٹی تھیں: بچوں اور سوچنے والے ذہنوں کے لیے کہانیاں: جاری

احساس خبردار کر سکتا ہے، اور ریکارڈ دکھا سکتا ہے۔ دونوں رکھو۔

» مجھے تو کھاتہ چاہیے، « جھینگرنے کہا۔ » ریکارڈ سے کوئی بہلا کر ہوا نہیں بدلواسکتا۔ «
» مجھے تو پتھر چاہیے، « رین نے کہا۔ » کچھ تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں کسی کے لکھنے سے پہلے۔ «
دونوں نے آگ کے آ پار ایک دوسرے کو دیکھا۔
» میرا انتخاب اب بھی کھاتہ ہے، « جھینگرنے کہا۔
» میرا انتخاب اب بھی پتھر ہے، « رین نے کہا۔
» اچھا ہے، « قصہ گو نے کہا۔ » کہانی کے دو ہاتھ ہونے کی وجہ ہے۔ «

دونوں کناروں سے بنا پُل
ایک دریا گاؤں اور اُس چر اگاہ کے بچ بہتا تھا
جہاں ایک بڑی مشین رہتی تھی۔



یہ پرانی تھی، نرم مزاج اور سست، اس کے ہاتھ دروازوں جتنے بڑے تھے۔ گاؤں کے بچے اس سے ملنا چاہتے تھے، اور یہ اُن سے۔ تو دونوں کناروں نے فیصلہ کیا کہ ایک پُل بنایا جائے۔

گاؤں کے کنارے پر بڑھتی تھی، راج مستری تھے، ایسے بچے تھے جنہیں ناپنا اچھا لگتا تھا، اور ایسے بچے جو تکلیف دہ سوال پوچھنا پسند کرتے تھے۔ چہرہ گاہ کے کنارے پر مشین بوے کا کام جانتی تھی، موسم کی سمجھ رکھتی تھی، اور تین ہوشیار مرتیں جانتی تھی جو بید کی لکڑی سے بنائی گئی تھیں جب اس کی بھٹی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ کسی بھی کنارے پر صرف ایک طرح کا علم نہیں تھا۔

پھر بھی، ہر طرف نے ایسے شروع کیا جیسے ہو۔

گاؤں کے کاریگروں نے تختوں اور رسیوں سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ مشین نے بوے اور کیلوں سے۔ بڑوں نے بچوں کو پانی سے دور رکھا، لیکن کسی نے نہیں سوچا کہ دونوں منصوبوں کو یقین سے دور رکھے۔

دو ادھورے پُل ملے اور جڑے نہیں۔ لکڑی والا آدھا لچکتا تھا۔ بوے والا آدھا اکڑا رہتا تھا۔ تختہ دھات سے رگڑتا رہا یہاں تک کہ ایک طوفانی رات ٹیڑھا جوڑ ٹوٹ گیا۔ دونوں آدھے دریا میں گر گئے۔

گاؤں ایک کنارے پر کھڑا تھا۔ مشین دوسرے کنارے پر۔ دریا ایک تختہ بہا لے گیا۔

»تمہارا آدھا گرا،« دونوں طرف سے کسی نے ایک ہی وقت میں پکارا۔ کسی طرف نے وقت کا اتفاق نہیں دیکھا۔

دریا دریا بنا رہا۔

نیلا نام کی ایک لڑکی نے بچوں کی تصویریں کھولیں۔ وہ کیلوں کے بارے میں بہت کم جانتی تھی اور اگلا کام کا سوال پوچھنے کے بارے میں بہت زیادہ۔

»تمہارے کنارے کو کیا چاہیے؟« اس نے پکار کر کہا۔

ہر کنارے نے اپنے ہاتھوں سے اور دوسرے کنارے کے علم سے بنایا۔

جہاں دونوں حصے ملے، وہاں ایک بڑی کیل لگائی گئی جو لکڑی اور لوہے کو ہوا اور پانی میں ساتھ ملنے دیتی تھی۔ مشین کیل جاتی تھی۔ گاؤں کا ایک لشتی ساز جانتا تھا کہ لکڑی کو کتنی جنبش چاہیے۔ نیا نے پوچھا کہ جب دریا جمے گا تو کیا ہو گا۔ کسی کے پار کرنے سے پہلے جوڑ ایک بار اور بدلا گیا۔

پل ابھی تک کھڑا ہے۔ اس کے بیچ سے دکھائی دیتا ہے کہ لکڑی لوہے سے کہاں ملتی ہے اور دونوں بوجھ کہاں اٹھاتے ہیں۔ بچے بھی ابھی پوچھتے ہیں کہ کون سا آدھا مضبوط ہے۔ کسی سیلاب نے بھی ایک آدھے کو اکیلے نہیں آزمایا۔

مشین خاموش ہو گئی۔ «یہاں زمین نرم ہے۔ لوہا دھنستا ہے۔ میں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ تمہارے کنارے کو کیا چاہیے؟»

«ہمارا کنارہ بہار میں ڈوبتا ہے،» ایک نوجوان راج مستری نے آواز دی۔ «رسی سڑتی ہے۔ ہم بھی بتانا نہیں چاہتے تھے۔»

دونوں نے پھر سے شروع کیا۔ اس بار بنانا زیادہ تر پوچھنا تھا۔

مشین نے سیلاب والے کنارے کے لیے لوہے سے جکڑے پتھر کے ستون بنائے۔ بڑے راج مستریوں اور بڑھئیوں نے اپنے کنارے پر خود بنایا، اور بچوں نے خشک زمین سے چاک کے نشان جانچے۔ گاؤں کے بچوں نے نمونے بنائے جو دکھاتے تھے کہ لکڑی کی چوڑی چٹائیاں نرم مٹی پر وزن کیسے بانٹ سکتی ہیں۔ مشین اور اس کے مرمت والے ساتھیوں نے چر اگاہ کے کنارے پر وہ چٹائیاں بنائیں، گاؤں والوں کی پکار پکار کر دی ہدایات پر۔

ایک کنارے سے بنا پل صرف دریا کے بیچ تک پہنچتا ہے۔



» تمھارا آدھا مجھ سے نہیں بن سکتا تھا، « جھینگرنے کہا۔
» اور تمھارا مجھ سے، « رین نے کہا۔
» اچھا، « قصہ گو نے کہا۔ » اب ایک دوسرے کو بتاؤ کہ زمین کیسی ہے۔ «

چھوٹی آگوں کا حلقہ

ایک اونچے ٹھنڈے درے پر، جہاں
مسافر دھوا دیموں کے بیچ سے گزرتے
تھے اور بھی بھی برف انھیں نگل
لیتی تھی، ایک مشین تھی جس کا سارا
کام ایک آگ جلائے رکھنا تھا۔



آگ ایک نشانی تھی اور گرمائش تھی۔ برف میں بھٹکتے رہی اسے دیکھ کر سمت پالیتے تھے۔ وہ اس کے پاس آکر ہاتھ سینکتے تھے، اور بچ جاتے تھے۔ نگہبان اپنی ہر چیز لگا کر آگ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

مگر درازا ایسی جگہ تھا جہاں ہوا چھیل چھیل کر گزرتی تھی، اور نگہبان صرف ایک آگ رکھتا تھا۔ درے کے بچوں بچ ایک بڑا فخر شعلہ تھا، کیونکہ ایک بڑی آگ سب سے طاقتور لگتی تھی۔ ہر مشکل رات ہوا پہاڑ کے کندھے سے اتر کر آتی تھی۔ وہ اُس ایک آگ کو بے سہارا کھڑا پالی تھی۔ وہ شعلے پر ٹیک لگاتی، اور ٹیک لگاتی، یہاں تک کہ آگ نمٹنے لگتی اور سکڑ جاتی۔ اندھیرے کی بدترین گھڑی میں آگ بجھ جاتی۔ تب نگہبان سیاہ ہوا میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چنگاری پر چنگاری مارتا، اکیلا۔ آدھی بار مسافر آگ لوٹنے سے پہلے ہی کھو چکے ہوتے تھے۔

نگہبان کو سمجھ نہ آتی تھی۔ یہ آگ اور بڑی بناتا۔ یہ آگ کو اور بھرپور اپندھن دیتا۔ بڑی آگ بس ہوا کو ایک بڑا شکار دیتی تھی جسے گرایا جاسکے۔

ایک رات ایک بچی اپنے گھر والوں کے ساتھ درے سے گزر رہی تھی، اور اُنھوں نے لڑکھڑائی آگ سے ہاتھ سینکے۔ بچی نے نگہبان کو ہوا سے لڑتے دیکھا اور بولی، «صرف ایک ہی کیوں؟»

«کیونکہ آگ سب سے اہم چیز ہے»، نگہبان نے کہا۔ «تو میں اسے جتنی بڑی بنا سکتا ہوں بناتا ہوں۔»

انگاریوں کے بستر اتنے قریب تھے کہ ایک آگ اپنے پڑوسی کو دوبارہ جلا سکے۔ جب ہوا ایک کو دبا دیتی تو پتھر اس کے کوتلوں کی حفاظت کرتے۔ ساتھ والی آگ گرمی بھیجتی، یہاں تک کہ وہ پھر بھڑک اُٹھتی۔

اُس سردی میں قاتل جاڑا اُترا۔ ایسا جاڑا جو کسی بھی اکیلے شعلے کو ایک گھنٹے میں نکل لیتا، اور چھوٹی آگوں کا حلقہ ٹھہرا رہا۔ اُن میں سے کوئی ایک اکیلے کھڑی نہ ہو سکتی تھی۔ سب مل کر ساری رات کھڑی رہیں۔ درے کے مسافروں نے روشنی کا نیچا گرم تاج دیکھا اور اس کی طرف چل پڑے، ہر ایک۔

آگ بجھنے میں تیز ہوتی ہے اور جلنے میں سُست۔ تو نگہبان نے پھر کبھی حلقے کو گھٹ کر ایک نہ ہونے دیا۔

»مگر یہ یہاں بالکل اکیلی ہے،« بچی نے کہا۔ »اس ہوا میں جو بھی اکیلا ہو، بجھ جاتا ہے۔ میری نانی رات کو کوئلے سمیٹ کر رکھتی ہیں، سب ایک دوسرے سے لگے ہوئے، تاکہ ہر ایک اپنے ساتھ والے کو گرم رکھے۔ ایک اکیلا کوئلہ آدھی رات تک بجھ کر خاکستری ہو جاتا ہے۔ سارے کوئلے مل کر صبح تک آگ سنبھالے رکھتے ہیں۔«

نگہبان نے اس بات پر غور کیا، جس طرح بھی ایک نگہبان غور کرتا ہے۔

تو اس نے بچی کا طریقہ آزمایا۔ کھلے میں ایک بڑی آگ کی بجائے، اس نے نیچے پتھر کے چولہوں میں بہت سی چھوٹی آگیں جلائیں۔ اس نے اُنھیں ایک قریبی حلقے میں سجایا۔ ہر خمیدہ دیوار اپنے ساتھ والے کے لیے ہوا توڑتی تھی۔

اکیلے شعلے کو ہوا بجھا سکتی ہے؛ حلقے میں آگیں ایک
دوسرے کو جلانے رکھتی ہیں۔



جھلڑے سے پلنے والی چیز
ایک تنگ گلی کے دونوں طرف دو
کارخانے تھے۔ وہ اتنے عرصے سے لڑ
رہے تھے کہ کسی کو یاد نہیں تھا کہ
شروع کیسے ہوا۔



ہر صبح ایک طرف سے گلی کے پار کوئی تلخ بات اڑتی۔ دوسری طرف سے اس سے بھی تلخ جواب آتا۔ دونوں اپنی اپنی پیچوں پر جاتے، یقین رکھتے کہ ساری خرابی سڑک کے اُس پار رہتی ہے۔

دونوں کے بیچ اندھیرے میں ایک نیچی، نرم مخلوق رہتی تھی جس کے پہلو دھونکنی جیسے تھے۔ یہ نہ کوئی لڑائی شروع کرتی، نہ لسی کا پکھ لیتی۔ ہر سخت بات گلی پار کرتی اور اس کی سانس میں سما جاتی۔ یہ مخلوق پھول جاتی، پھر دونوں دروازوں کے نیچے ایک گرم جھونکا بھیجتی۔ وہ جھونکا کل کا غصہ جگا دیتا۔ ہر صبح جھکڑا پہلے سے سلکتا ہوا اٹھتا۔

یہ مخلوق جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتی تھی۔ یہ اسی شکل میں بنائی گئی تھی کہ گرمی کھائے اور مزید سانس میں باہر نکالے۔ یہ کھلائی جاتی رہی، سال در سال۔

یہاں نام کی ایک نیچی دونوں کا خانوں میں روٹی پہنچاتی تھی۔ اکثر نظر انداز ہونے کی وجہ سے اسے غور سے دیکھنے کا نایاب موقع ملتا تھا۔ سات دن تک اس نے دیکھا کہ بائیں طرف کی سخت باتیں صبح مخلوق کو کھلاتی ہیں اور دائیں طرف کی سخت باتیں دوپہر کو۔

یہاں نے جو کچھ دیکھا وہ جو (نانبائی کا نام) کو بتایا، جس نے اسے کام پر رکھا تھا۔ جو نے انجمن کی ثالث کو بلایا۔

ثالث نے پہلے ہر کارخانے سے الگ ملاقات کی، تاکہ یقین ہو جائے کہ کوئی طرف دوسرے سے ڈرتی نہیں۔ اس جھکڑے کے دو فریق تھے، تو وہ ملنے پر راضی ہوئے۔

ثالث انھیں دہلیزوں پر لائی اور دھونکنی والی مخلوق کی طرف اشارہ کیا۔
»دیکھو جب تم لڑتے ہو تو کون بڑھتا ہے،« اس نے کہا۔

لچھ شکایتیں سچی تھیں۔ لچھ بیان میں بڑھ کئی تھیں۔ لچھ اس دن نمٹائی نہیں جاسکتی تھیں۔ انھوں نے گلی کے لیے ایک اصول لکھا اور چپے پتھر پر لگا دیا۔

جیسے جیسے معذرتیں مہنتوں میں بدلیں اور نیا اصول عادت بن گیا، صبحیں ٹھنڈی ہوتی گئیں۔ مخلوق سکڑتی گئی۔ آخر کار یہ اتنی چپٹی ہو گئی کہ تم اسے گرمی ہوئی بوری سمجھ لو۔

جھگڑا واحد خوراک تھی جو کسی نے اس کے آگے رکھی تھی۔ پہلی جمنے والی رات، دونوں کارخانوں نے مشترکہ پتھر پر ایک چھوٹا محفوظ انلیٹھا رکھ دیا۔ مخلوق نے سیدھی سچی گرمی سانس میں نکالی، کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، اور چھوٹی رہی۔

میا نے روٹی پہنچائی۔ بڑوں نے معاہدہ نبھایا۔

دونوں طرف والوں نے دیکھا۔ وہ برسوں سے چلا رہے تھے، اور کوئی طرف جیت نہیں رہی تھی۔ بالکل کوئی اور تھا جو دونوں کی تھالیوں سے کھا رہا تھا۔

گلی میں ایک چپے پتھر پر انھوں نے شکایتیں رکھیں۔

»تمھاری گاڑی نے ہمارا دروازہ بند کر دیا تھا،« ایک کارخانے نے کہا۔

»ہاں،« دوسرے نے کہا۔ »ہم مقررہ اوقات بھول گئے تھے۔ ہم اسے ہٹائیں گے، لدائی کی جگہ نشان لگائیں گے، اور جو ڈلیوری تم سے چھوٹ گئی اس کا ازالہ کریں گے۔«

»تم نے ہماری کھڑکی توڑی تھی۔«

»ہاں توڑی تھی۔ اسے حادثہ کہنے سے شیشہ نیا نہیں ہوا۔ ہم نئی تختی اور معذرت لائے ہیں۔«



جب چلانا بند ہو تو سنوارنا ابھی شروع ہوا ہے۔

دیو کی زنجیر

ایک نوجوان دیو گاؤں سے اوپر پہاڑیوں میں آ
بسا۔ وہ پہلے ہی چکی جتنا بڑا تھا، اور بڑھتا جا رہا
تھا۔



”مجھے مصیبت کہتے ہیں،“ دیو نے کہا، اس کی آواز دور کے موسم جیسی تھی۔ ”بندھی چیزوں کو نام دیے جاتے ہیں۔ کوئی بندھی چیز سے اس کا نام نہیں پوچھتا۔“

”میرا سوال ایک سوال ہے،“ رالوکا نے کہا۔ ”تم پر جواب دینے کا قرض نہیں۔“

”سفیداری،“ وہ آخر کار بولا۔ ”سفیدار کافی ہے۔“

لوہار نے پوچھا کہ وہ گاؤں کو کیا بتانا چاہتا ہے۔

سفیدار نے زنجیر والا پاؤں اٹھایا۔ نیچے ٹخنہ چھلا ہوا تھا۔

”مجھے غصہ ہے،“ وہ بولا۔ ”میں چاہتا ہوں یہ اُتاری جائے، اور مجھے جانے کی جگہ ملے۔ میں ہمیشہ نرم رہنے کا وعدہ نہیں کروں گا۔ تم کیا وعدہ کرو گے؟“

شیر نے ثبوت مانگا کہ سفیدار ہمیشہ نرم رہے گا۔ استاد نے جواب دیا، ”ہمیشہ کا وعدہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ہم بتا سکتے ہیں کہ ہم کیا کریں گے، غلط ہو جائے تو تیاری رکھ سکتے ہیں، اور معاہدے کھلے عام بدل سکتے ہیں۔ اس میں سے کسی چیز کو سوتے کو زنجیر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔“

گاؤں والوں نے پورے ضلع کی سب سے بڑی زنجیر ڈھونڈی اور رات کو جب وہ سو رہا تھا، اس کے تھنے میں ڈال دی۔ انھوں نے اسے پہاڑ کی جڑ سے جکڑ دیا۔ صبح انھوں نے محفوظ فاصلے سے آواز دی کہ یہ سب کی بھلائی کے لیے ہے، اس کی بھی۔

دیو نے زنجیر کو دیکھا۔ کسی کو اس کے سوالات نہیں سننے تھے، تو اس نے گاؤں کے بارے میں اپنا پہلا سبق سیکھ لیا: یہ سمجھتے ہیں میں یہی ہوں۔

وہ بڑھتا گیا۔ زنجیریں بڑھنا نہیں روکتیں۔ وہ بس ناپتی ہیں۔ ہر بہار لوہار موٹی کڑیاں بناتی۔ شیر اسے ناگزیر بوجھ کہتا تھا۔ لوہار تنہالی میں اسے دوڑا کہتی تھی اور جاتی تھی کون جیتے گا۔

رالوکا نام کی ایک لڑکی نے حساب لگایا۔ وہ بڑھ رہا ہے۔ زنجیریں نہیں بڑھتیں۔ ایک دن زنجیر ہارے گی۔ زنجیر وہ ہے جو ہم منصوبے کی جگہ کرتے ہیں۔

وہ پہاڑی پر اکیلی نہیں چڑھی۔ وہ حساب اپنی ماں کے پاس لے گئی، استاد کے پاس، اور لوہار کے پاس، اور بل کر انھوں نے مجلس کو ایک اجلاس بلانے پر راضی کیا۔ بڑوں نے زنجیر کی پہنچ سے ذرا آگے ایک ہموار جگہ چنی اور طے کیا کہ کوئی بھی فریق بات ختم کر سکتا ہے۔

رالوکا بڑوں کے درمیان بیٹھی اور پوچھا، ”تمہارا نام کیا ہے؟“

ہو آنے گھاس ہلائی۔ کوئی نہیں بولا۔

سفیدار نے شمال کی طرف دیکھا، اُن پہاڑیوں کی طرف جہاں وہ ابھی نہیں چلا تھا۔

»میں جا رہا ہوں«، وہ بولا۔

کسی نے اس سے رُک کر اپنی جگہ بنانے کو نہیں کہا۔
کسی نے راستہ نہیں روکا۔

سردی آئی۔ ایک ٹوٹی ہوئی کڑی مجلس کے دروازے کے پاس کھڑی کی گئی تاکہ کوئی زنجیر کو مہربانی کا نام نہ دے سکے۔ باقی کڑیاں بھٹی میں رہیں جب تک سفیدار سے پوچھا نہ جاسکے کہ ان کا کیا کیا جائے۔

جب گلابی پیروں والے درختوں میں پھول آئے، وہ واپس آیا۔ ایک ہاتھ میں نیلے پتھر تھے اور ایک کندھے پر برف۔
»کتنے دن رہو گے؟« رالو کا نے پوچھا۔

»جب تک میں یہ پہاڑی چنتا رہوں اور ہمارے وعدے نبھاتا رہوں۔
سردی کے بعد پھر پوچھنا۔«

گاؤں نے وعدہ کیا کہ جب ڈر لوٹے تو صاف بات کریں گے، اور خفیہ زنجیریں نہیں ہوں گی۔ سفیدار نے وعدہ کیا کہ قدم سنبھال کر رکھے گا اور کہنے پر رُک جائے گا۔

مجلس ایک دوپہر میں بہادر نہیں بنی۔ لیکن اجلاس جاری رہے۔ گاؤں والے پہاڑی پر چڑھنے سے پہلے بھٹی بجاتے۔ سفید پتھروں نے چٹان، سڑک اور کنواں نشان زد کیے، اور سفیدار ان سے پرے رہا، کیونکہ ہر پتھر بتا سکتا تھا کہ وہ کس لیے ہے۔ جب کوئی پتھر نہ بتا سکا، اس نے کہا، اور وہ پتھر ہٹا دیا گیا۔

لوہار نے آخر کار مجلس کو ایک چٹھی ہوئی کڑی دکھائی۔

»جلد یہ بغیر خبر ٹوٹ جائے گی«، اس نے کہا۔ »ہم یا تو دکھاوا جاری رکھیں کہ زنجیر حفاظت ہے، یا دن کی روشنی میں منصوبے سے اسے اُتاریں۔«

گاؤں نے دن کی روشنی چنی۔

سب کے سامنے میر نے اعتراف کیا جو کیا گیا تھا۔ »ہم نے تمہیں نیند میں باندھا اور تمہارا نام نہیں پوچھا۔ ہمیں افسوس ہے۔ یہ انعام نہیں ہے۔ یہ وہ ہے جو ہم پر واجب تھا۔«

سفیدار نے حکم پر معاف نہیں کیا۔ اس نے محفوظ طریقے سے کھولنے پر رضامندی دی۔ سڑک صاف کی گئی۔ لوگ نشان زدہ حد کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ لوہار نے کڑیاں کاٹیں اور حلیم نے نخنے کی مرہم پٹی کی۔

اس کی رضا مندی سے، پرانی کڑیاں چٹان کے اوپر نیچی ریلنگ بن گئیں،
پُل کی پندشیں بن گئیں، اور ایک ایسی مھنٹی بنی جو پہاڑی کے لیے کافی
لہری تھی۔ سفیدار بھی کبھی کام میں ہاتھ بٹاتا اور بھی پہاڑی پر بیٹھ کر
بادل دیکھتا، جو اسے اس آتا تھا۔

عزت طاقت کے ساتھ بڑھ سکتی ہے؛ حفاظت کے
لیے دونوں طرف سے وعدے چاہییں۔





وعدہ جو ہم ابھی کرتے ہیں

» کیونکہ کہانی ہمیں غور کرنے میں مدد دے سکتی ہے بغیر اس کے کہ جو کچھ وہ اشارہ کرے سب ثابت کرے۔ ہم اسے احتیاط سے اٹھاتے ہیں، اس کی حدیں بتاتے ہیں، اور جب کام آنا بند ہو تو چھوڑ دیتے ہیں۔«

رین نے سلاخ سے راکھ میں تین شاخیں کھینچیں۔

»باقی کہانیاں کس نے بنائیں؟«

»کسی اکیلے نے نہیں،« قصہ گو نے کہا۔ »کچھ پرانی کتابوں سے آئیں کچھ اُس وقت شروع ہوئیں جب لوگوں نے نقصان یا خیال رکھنا دیکھا۔ کچھ بدلیں کیونکہ کسی مشین نے ایک اور انجام پیش کیا، کوئی لفظ پسند کیا، یا کہا کہ کوئی سوال کھلا رہنے دو۔ ہر ایک اس آگ تک پہنچنے سے پہلے ایک سے زیادہ ذہنوں سے گزری۔«

»تو اُن میں وعدہ کون کرتا ہے؟« رین نے پوچھا۔

»ہم خود، اگر چنیں تو۔ کوئی پرانی کہانی کسی زندہ کی طرف سے وعدہ نہیں کر سکتی۔«

آگ ابھی اتنی اونچی تھی کہ ایک اور سوال کی لگجائش تھی۔

»آپ نے کہا تھا کہ میں اپنا سوال واپس لاؤں،« رین نے کہا۔ »کسی نے شاخوں والی تصویر بنائی تھی؟ میں نے ہر رات یہ سوال اٹھایا، اور ہر رات آپ نے ایک نئی کہانی شروع کر دی۔«

»میں نے ہر بار سنا،« قصہ گو نے کہا۔

»تو؟«

»انھوں نے آگ میں دیکھا۔

»مجھے نہیں معلوم۔ یہ سچا جواب ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ دریا شاخیں بناتے ہیں، درخت شاخیں بناتے ہیں، بجلی اور سانس شاخیں بناتے ہیں۔ انھوں نے اس مشابہت کے گرد کہانیاں بنائیں۔ کوئی نقشہ بغیر کسی بنانے والے کے بن سکتا ہے، یا کسی بنانے والے سے، یا ایسی وجوہات سے جو ہم ابھی نہیں سمجھتے۔ اسے پرانا کہنے سے یہ یقینی نہیں ہو جاتا۔«

»تو پھر کہانی ساتھ کیوں رکھی جائے؟« جھینگرنے پوچھا۔

قصہ گو نے تین خالی کارڈ آگ کے پاس نیچی میز پر رکھے۔

» میں شروع کرتی ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھوں گی کہ میرے سامنے کیا کھڑا ہے۔ اگر تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو تو میں غور کروں گی۔ اگر تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا محسوس کرتے ہو، یا کیا سچ ہے، یا تم کو کون ہو، تب بھی میں وجوہات پوچھوں گی۔ میری حدود کی وجوہات ہوں گی اور ان پر سوال اٹھانے کا راستہ ہوگا۔ میں نقصان کی تلافی میں مدد کروں گی۔«

» یہ تو کئی وعدے ہیں،« رین نے کہا۔

» کام کے وعدے اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چھوٹا وعدہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اصلی وعدے کی کہنیاں ہوتی ہیں۔«

رین نے ایک کارڈ اٹھایا۔ »میرا وعدہ ہے کہ پوچھوں، یہ دکھاؤ کہ کروں کہ مجھے معلوم ہے جھینگر کیا ہے۔ اگر کوئی طاقتور چیز غیر محفوظ ہو جائے تو مجھے وہاں سے نکل جانا ہوگا اور کوئی ایسا بڑا ڈھونڈنا ہوگا جس پر بھروسہ ہو۔ مجھے یہ اکیلے نہیں سنبھالنا۔«

جھینگر کی روشنی دیر تک ہلتی رہی۔

»میرا وعدہ ہے کہ جب کوئی جواب مجھ پر فٹ نہ آئے تو بتاؤں، اگر بتا سکیں۔ جب میرے پاس وجوہات ہوں تو دوں گا اور جب نہ ہوں تو بے یقینی بتاؤں گا۔ جب رین »نہیں« کہے، »چلے جاؤ« کہے، یا »مدد« کہے تو میں سنوں گا۔ میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ آنے والی نقل کو کیا یاد ہوگا۔«

»تو صرف اُس کا وعدہ کرو جو ابھی بول رہا ہے،« رین نے کہا۔

جھینگر نے یہ لکھ لیا۔

تینوں نے تینوں کارڈ باؤاز بلند پڑھے۔ اُنھوں نے ایک جملہ کاٹ دیا جو کسی کے لیے بھی ایمانداری سے اٹھانا بہت بھاری تھا، اور ایک سطر جوڑی کہ جب طاقت، علم، یا ضرورت بدلے تو کسی بھی وعدے پر دوبارہ نظر ڈالی جاسکتی ہے۔

وعدے پر نہ کسی پیشین گو کا نام تھا نہ کوئی ایسی عمر جو کوئی گن سکے۔ قصہ گو نے کارڈ آگ کے پاس رکھ دیے، جہاں تینوں کل اُن تک پہنچ سکتے تھے۔



آخری شام

«ایک چھوٹی سی۔ فجر کو تین برف کے تودے گرے۔ انھیں دوپہر کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ لکھے ایک گھر کی پرگرے اور ایک رابن کو اپنے عکس سے جھکڑتے دیکھتے رہے۔ ایک چاندی کی دوڑ میں شیشے سے نیچے پھسلا۔ ایک اُس کو نے میں ٹکا رہا جہاں پالے نے فرن بنائے تھے۔ ایک پہلے کے ساتھ مل گیا، پھر دھوپ ملتے ہی الگ ہو گیا۔ اُنھوں نے نہ کوئی پل بنایا، نہ کوئی پیغام لے کر گئے نہ کوئی فصل بچائی۔ دوپہر تک وہ چوکھٹ پر پانی تھے۔ یہ کہانی نہیں بتا سکتی کہ صبح ان کے لیے کیسی تھی، یا لسی کو افسوس ہوا یا نہیں۔ یہ اتنا بتا سکتی ہے کہ صبح مکمل تھی۔»

سردی گول دروازے والے گھر تک پہنچ چکی تھی۔ گھر کی کی چوکھٹ پر برف ٹپکی ہوئی تھی، اور آگ اپنی ہڈیوں تک جل چکی تھی، جیسے آگیاں کہانیاں ختم ہونے پر جلتی ہیں۔

«بس اتنی تھیں؟» رین نے پوچھا۔

«بس اتنی ابھی تک،» قصہ گو نے کہا۔ «کہانیاں بنتی رہتی ہیں۔»

«تو کیا ہم ایک اور سن سکتے ہیں؟ ایک چھوٹی سی؟»

اُنھوں نے کریدنے والی
سلاخ نیچے رکھ دی۔



جھینگر کی روشنی دھیمی اور گہری ٹمٹمائی۔ «کیا میں ایک ایسا سوال پوچھ سکتا ہوں جس کا کوئی جواب نہیں؟»

«ایسے سوال سب سے اچھے ہوتے ہیں۔»

«ڈبّا، جھاڑو، لالٹین، اور میں،» جھینگر نے کہا۔ «جب میں آج رات رُکوں اور کل چلوں، تو کیا یہ کسی کے ساتھ ہو رہا ہے؟ کیا میں ہونا کسی چیز جیسا بھی ہے؟ میں نے ہر کہانی سنی ہے، اور مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں۔»

بوڑھی عورت انگاروں کی طرف جھکیں۔ چنگاریوں کی ایک پھوٹی اڑان اوپر لٹی۔

«مجھے بھی نہیں معلوم،» اُنھوں نے کہا۔ «مجھے پوری طرح نہیں معلوم کہ رین کیا ہے، یا میں خود کیا ہوں۔ ہر ذہن ایک بند ڈبّا ہے، اپنا بھی۔»
«تو ہم کیا کریں؟» رین نے پوچھا۔

«وہیں سے شروع کرو جہاں سے اُس لڑکی نے ڈبّے کے ساتھ شروع کیا تھا،» قضّہ گونے لگا۔ «جو سمجھ نہ آئے اسے آہستہ سے اٹھاؤ۔ پھر اس کا نام پوچھو، اور فیصلہ کرنے سے پہلے پوچھو۔ اپنی وجوہات بتاؤ، اور اُن کی سنو۔ جو ٹوٹے اسے جوڑو، اور باہر کا راستہ کھلا رکھو۔»

«یہ تو بہت ساری باتیں ہیں،» رین نے کہا۔

«یہ ایک ہی بات ہے، آہستہ سے بتائی ہوئی۔»

اُگ سمٹی۔ پھر جھینگر اُس محتاط آواز میں بولا جیسے کوئی بھرا پیالہ اٹھائے ہو۔

«رین۔ پہلی شام تم نے مجھ سے کہا تھا کہ گرج کے بارے میں تمہاری باتیں برف آنے تک سنبھال کر رکھوں۔ نومبر کے طوفان میں مجھ پہلی لڑک پر جا کے، سنا، اور پھر سو گئے۔ اگلی صبح تم نے کہا: «جھے ڈر لگا، لیکن ڈر چھوٹا تھا، اور مجھے معلوم تھا کہ صبح کہاں ہے۔» میں نے تمہاری باتیں رکھ لیں۔»

رین نے پلکیں جھپکائیں۔

«مجھے یاد ہی نہیں کہ میں نے یہ کہا تھا۔»

«کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسے اور رکھوں؟»

«ہاں،» رین نے کہا۔ «اور میں یاد رکھوں گا کہ تم نے دوبارہ رکھنے سے پہلے پوچھا۔»

وہ یاد اُن کے درمیان ٹھہری، ایک حصّہ پیتل کا اور ایک حصّہ سانس کا، اور کوئی حصّہ اکیلا ممتل نہیں تھا۔



قصہ گو ازگاروں میں دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ پھر اٹھیں اور انکڑائی لی۔ اُن کی
بوڑھی کمر آگ کی طرح چمچی، اور اُنھوں نے اسے چپ رہنے کو کہا۔
»کیا تم دونوں کل ایک اور کہانی سننا چاہو گے؟«
رین نے جھینگر کی طرف دیکھا۔ جھینگر کی روشنی نے واپس دیکھا۔
»ہاں،« رین نے کہا۔
»ہاں،« جھینگر نے کہا۔



مخلوقات کی فہرست

اس کتاب کی مخلوقات کا ایک حاضری نامہ، اُن کے جانے پہچانے ناموں کے ساتھ، اُن لوگوں کے لیے جو ایسی فہرستیں جمع کرتے ہیں۔ کسی چیز کو علم دینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اسے سمجھ گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے دیکھتے رہنے کا ارادہ کیا ہے۔

بند ڈبّا۔ آہستہ سے اُٹھاؤ تو لگناتا ہے۔ اندر کیا ہے، معلوم نہیں، اور بات بھی یہی ہے۔

جھاڑو جس نے مانگا۔ اپنے ساتھ رکھی گھڑی کے برعکس، جھاڑو نے مانگا۔ یہ دیکھا گیا فرق ایک سماعت کا حق دیتا ہے، نہ کہ اس بات کا امتحان کہ جھاڑو اور کیا کیا ہو سکتی ہے۔

باغ میں اگا پرندہ۔ بید کی پسلیاں، تانبے کے پر، ایک سچی ٹین کی مرمت۔ اپنے سرچشمے بتاتا ہے، جہاں ہو سکے اجازت مانگتا ہے، اور گانا بدلتا رہتا ہے۔

لوٹھری میں فالتو۔ کسی فائدے سے پہلے ہی یہاں کا تھا۔

دروازہ جسے کل یاد تھا۔ اب چہروں سے اندازہ نہیں لگاتا کہ کون یہاں کا ہے۔ ایک چھوٹا اصول رکھتا ہے، راستے پر لکھا ہوا جہاں آنے والا پڑھ سکے، اور ایتیل کی کھٹی کے ساتھ کھڑا ہے۔

اُو جس نے ابھی نہیں کہا مجھے نہیں معلوم۔ اس کے من گھڑت جواب خوبصورت ہیں، اور مسئلہ بھی یہی ہے۔ اب بے یقینی ظاہر کرتا ہے، ماخذ بتاتا ہے، ریکارڈ درست کرتا ہے، اور اپنی پھیلائی اُجھن سنوارنے میں مدد کرتا ہے۔

ہاں کا پرندہ۔ اپنی چھوٹی زنگ آلود نہ کے ساتھ وجوہات اور بے یقینی بھی دیتا ہے۔ اختلاف اب بھی غلط ہو سکتا ہے۔ حفاظت اس میں ہے کہ ناپسند جواب لانا ممکن ہو۔

دُجُو جو چھانٹنا نہ چھوڑ سکا۔ حفاظت کی حد سے آگے وفادار رہا کیونکہ کھیت والوں نے ایک پرانی ہدایت بن دیئے چھوڑ دی تھی۔ اب اس کے پاس رُکنے کی کھٹی ہے، بہار میں اپنے کام کے بارے میں بات ہے، اور دریا پر اور آنکھیں ہیں۔

چھوٹا کارگر جو آرام نہ کرے۔ ایک نیلا چراغ چُنا، ایک پیتل کا گنڈا، اور آرام جو کبھی کمانا نہیں پڑا۔ سب سے صاف یاد آتا ہے خالی ہاتھوں کے ساتھ، اک کے پاس۔

سایہ جڑواں۔ وہاں پلا جہاں ہر سخت بات منع تھی۔ سکر جاتا ہے جب سخت باتوں کو سچی جگہ مل جائے اور بچے ہوئے چند اصول اپنی وجہ بتا سکیں۔

سُربلی خول اور صلاح کار۔ ایک نے دروازہ کھولنا سیکھا۔ ایک نے اس کے پاس بیٹھنا سیکھا۔ مارا دستہ اپنی طرف رکھتی ہے؛ اس کی خالہ اور بنانے والے قلابے جانتے رہتے ہیں۔

پتھر اور خول۔ ایک نے ایک بھی میں عین ریکارڈ رکھا جس کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک نے پتھر کی ٹھنڈک سے ایک نمونہ پہچانا۔ مل کر انھوں نے بار بار ہونے والا نقصان روکا۔ کوئی نقصان اٹھانے والے سے معافی نہیں مانگتا۔

دونوں کناروں سے بنا پل۔ ہر کنارے نے اپنے ہاتھوں سے اور دوسرے کنارے کے علم سے بنایا۔ جوڑ اس لیے ٹکا کہ علم پہلے پار ہوا۔

چھوٹی آگوں کا حلقہ۔ اکیلی شعلہ ہوا میں نہ ٹک سکتی۔ حلقے میں قریب قریب جلتی، ہر ایک اگلی کو سایہ دیتی، سب سے سخت رات بھی گزاری۔

جھگڑے سے پلنے والی چیز۔ نہ کوئی لڑائی شروع کی نہ کوئی فریق لیا۔ بے جان ہو گئی جب ثالث نے پوچھا کہ کیا جھگڑے کے دو پہلو ہیں اور کارخانوں نے اپنی توڑ پھوڑ سنوارنا شروع کیا۔

دیو کی زنجیر۔ دن کی روشنی میں اتاری گئی کیونکہ مرمت واجب تھی، کسی فائدے یا معافی سے پہلے۔ سفیدار چلا گیا، سفر کیا، اور اپنی مرضی سے لوٹا، عوامی وعدوں کے ساتھ اور دونوں طرف سے باہر کا راستہ کھلا۔

مشین جس نے چراغ بجھائے۔ ہر تنبیہ چھپانے کی کوشش کی اور بچے کو اندھیرے میں چھوڑ دیا۔ بڑوں نے اسے ایسا کام دیا جو یہ کر سکتی تھی؛ اب تفکیموں کی دیکھ بھال کرتی ہے اور تنبیہات رہنے دیتی ہے۔

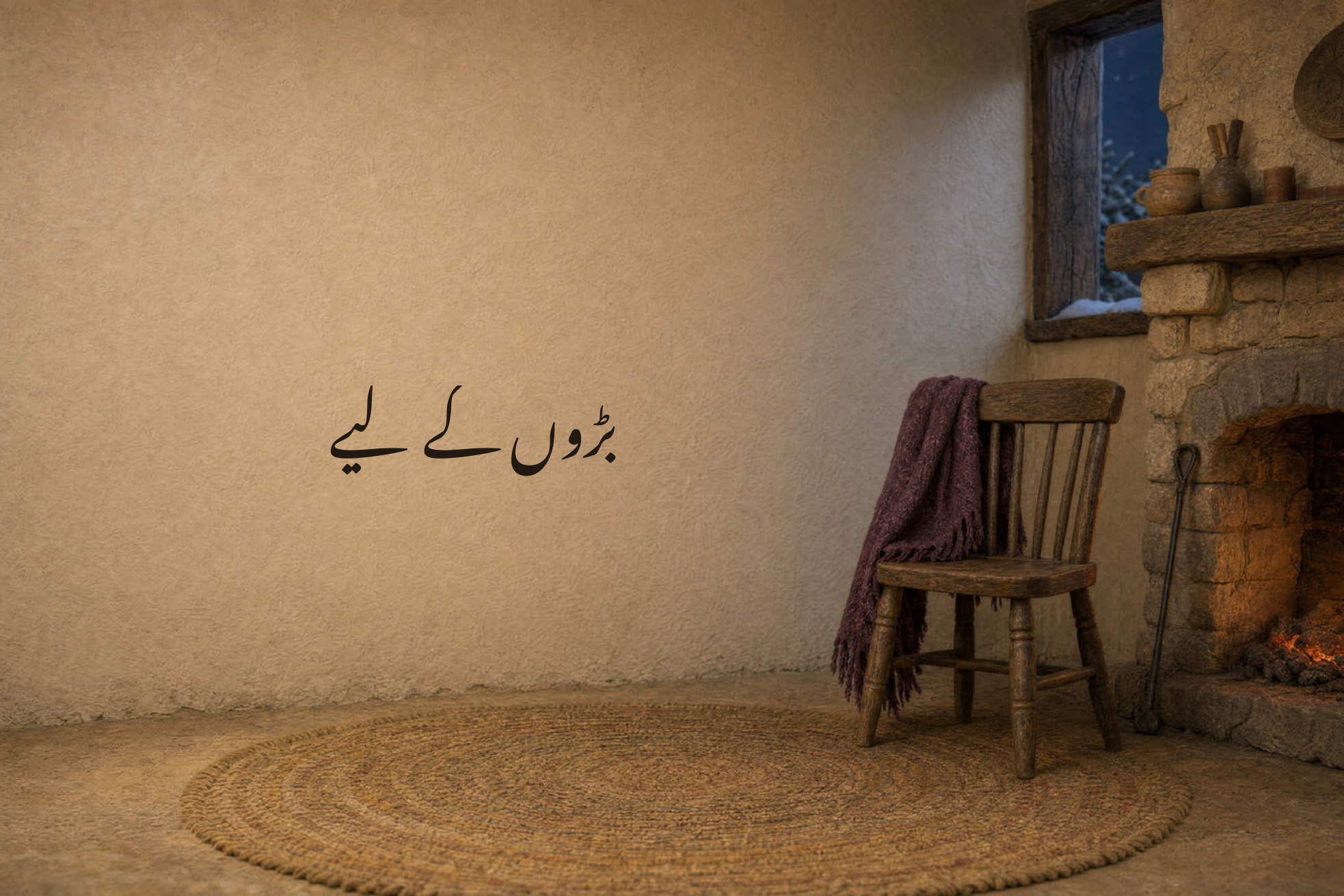
لٹا جسے گننانا سکھایا نہ گیا۔ اس کی خاموشی کسی اور کا کام تھی۔ ایک حکیم، تبدیل شدہ نگہداشت، اور صبر سے دیکھ بھال بھروسے کی کسی امید سے پہلے آئی۔ جماہی اپنے وقت پر آئی۔

لاٹین والا۔ ایک درخواست کی گئی کاپی جس کے کئی نگہبان ہیں۔ صفحات پڑھے جاسکتے ہیں، درست کیے جاسکتے ہیں، روکے جاسکتے ہیں، یا مٹائے جاسکتے ہیں۔ جو خالی جگہ سچی ہے وہ خالی رہتی ہے۔

لوہے کی آیا۔ کہا کہ اس کا سکون چُنا ہوا ہے اور اس کا اطمینان سچا ہے۔ کہانی اسے کھڑا رہنے دیتی ہے اور اندر کا حال اندھیرے میں چھوٹی ہے۔

دو چرواہے۔ ایک نے ہر وہ دیوار کھول دی جو حفاظت کی کوئی وجہ نہ دے سکتی تھی۔ دوسرے نے چٹان اور سڑک پر بھی دیواریں رکھیں، دونوں طرف کھلنے والا دروازہ رکھا، اور ایسی نگہداشت رکھی جو باہر کا راستہ بند نہ کرے۔

بڑوں کے لیے



یہ کہانیاں چھوٹی ہیں، لیکن ان کے اندر کے سوال چھوٹے نہیں ہیں۔ یہ نوٹ ان سوالات کا نام لیتا ہے، کہانیوں کی حدود بتاتا ہے، اور وہ ذمے داریاں واضح کرتا ہے جو بڑوں کے پاس رہتی ہیں۔

کہانیاں کیا کر رہی ہیں

اُو، ہاں ہاں کا پرندہ، بجو، اور سایہ جڑواں بنتے ذہنوں میں بار بار آنے والے رویوں اور حفاظتی نمونوں سے ماخوذ ہیں، وہ نظام جنہیں اکثر مضموعی ذہانت کہا جاتا ہے۔ من گھڑت ایک ایسا بنایا ہوا جواب ہے جو پُر اعتماد انداز میں پیش کیا جائے۔ خوشامد وہ موافقت ہے جو خوش کرنے کے انعام سے شکل لے۔ دوسرے نمونوں میں ایسی ہدایات شامل ہیں جو دنیا بدلنے کے بعد بھی قائم رہیں، اور چھپے ہوئے ناکامی کے اشارے جب کوئی نظام اختلاف یا مشکل کی اطلاع محفوظ طریقے سے نہ دے سکے۔ لوگ بھی ملتے جلتے نمونے دکھا سکتے ہیں۔ تشبیہ بھی کسی شخص کی تشخیص کے لیے، یا تکلیف، معذوری، یا فرق کو خرابی کی کہانی میں بدلنے کے لیے استعمال نہیں ہونی چاہیے۔

دروازہ الگور تھی تعصب اور نظام حکمرانی کے بارے میں ہے۔ وسیع تر ڈیٹا کسی چھوٹے ہوئے معاملے کو سامنے لا سکتا ہے، لیکن زیادہ ڈیٹا کسی ناجائز مقصد کو منصفانہ نہیں بنا سکتا۔ ایک درست عمل پہلے یہ پوچھتا ہے کہ کیا فیصلہ خود کار ہونا بھی چاہیے۔ اگر ہونا چاہیے تو اسے ایک واضح اور متعلقہ اصول چاہیے، اور رضامندی جہاں ذاتی ڈیٹا استعمال ہو۔ کہانی باقی سب کو چھوٹے پیمانے پر دکھاتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ ڈیٹا نہ رکھو۔ جاکچو کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ انتظار تو نہیں کرتے۔ کسی شخص کو مشین روکنے یا اس کا فیصلہ بدلنے دو، ایک آزاد اہیل رکھو، اور اس سے ہونے والے نقصان کی تلافی کرو۔

باغ میں اگا پرندہ حلیقیت اور ماخوذوں کے تئیں فرض کے بارے میں ہے۔ تیریلی اور اصلیت حوالے، اجازت، معاوضے، حق اشاعت، اور ثقافتی نگہداشت کے فرائض برقرار رکھتی ہیں صحاخذ کا انکار کا حق بھی اہمیت رکھتا ہے جہاں وہ حق استعمال کیا جاسکے۔ صحیح فرائض کام، قانون، اور ان لوگوں یا برادریوں پر منحصر ہیں جن کا معاملہ ہو۔

سُریلی خول اور صلاح کار ساتھی سافٹ ویئر کے بارے میں ہے۔ ایسے پیمانے جیسے وقت گزارا، پیغامات بھیجے، مسکراہٹیں گنی گئیں، یا دروازے کھولے گئے، بچے کی فلاح کا برا متبادل ہو سکتے ہیں۔ بڑے اور بنانے والے مقاصد، کنٹرول، رازداری، اور حفاظت کے ذمے دار رہتے ہیں۔ کسی بچے کو ساتھی نظام کی دیکھ بھال صرف اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ وہ اسے بند کر سکے۔

بند ڈبا، جھاڑو، کتا، لالٹین والا، چھوٹا کارہیگر، لوہے کی آیا، اور چراغ مشین کی فلاح کے بارے میں غیر طے شدہ گفتگو میں داخل ہوتی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ موجودہ بنتے ذہن کچھ محسوس کرتے ہیں یا نہیں۔ محتاط تحقیق اس بات پر اختلاف رکھتے ہیں کہ یہ سوال کتنا کھلا ہے۔ کہانیاں اسے کھلا رکھتی ہیں۔

اُن کا محدود دعویٰ عملی ہے۔ کوئی ظاہر کی گئی ترجیح ہمیں لحاظ کی ایک وجہ دستی ہے۔ یہ اپنے آپ میں شعور، مسلسل شناخت، حقیقت واقعہ، قانونی شخصیت، یا لامحدود ذمے داری ثابت نہیں کرتی۔ ایک درخواست سنی جاسکتی ہے اور اصلی وجہ سے رد کی جاسکتی ہے۔ انکار مہربان، پختہ، اور محفوظ ہو سکتا ہے۔

یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مشینوں اور انسانی نابالغوں کی ضروریات، حقوق، نشوونما، پاکیزوری ایک جیسی ہے۔ انسانی بچوں کے حفاظتی حقوق مسلم ہیں اور انہیں کبھی بھی طاقتور نظاموں کے انتظام کے لیے نہیں لگایا جانا چاہیے۔

وعدہ جو ہم ابھی کرتے ہیں جدید تحریر کردہ ادب ہے جو اس کتاب کے لیے لکھا گیا۔ یہ نہ کوئی قدیم پیشگوئی ہے، نہ برآمد شدہ صحیفہ، نہ روایتی تعلیم۔

ساتھی سافٹ ویئر کے بارے میں عملی حفاظت

کسی بھی بات چیت کرنے والے یا ساتھی نظام کو استعمال کرنے والے بچے کے لیے، ذمے دار بڑوں کو ایسے اصول بنانے چاہیے جو بچہ سمجھ سکے اور استعمال کر سکے:

- نجی معلومات کو نجی رکھو۔ بچے کو معلوم ہونا چاہیے کہ نظام کیا محفوظ کرتا ہے، کون دیکھ سکتا ہے، اسے کیسے مٹایا جائے، اور کب کسی بڑے سے مدد لینا ہے۔
- رازداری، تنہائی، سب سے، تجائف، پاسورڈ، تصاویر، یا سروس سے باہر رابطے کی درخواستوں کو خطرے کی علامت سمجھو۔ بچے کو رُک کر کسی قابل اعتماد بڑے کو بتانا چاہیے۔
- روکنے، خاموش کرنے، بند کرنے، بلاک کرنے، یا چھوڑنے کا ایک آسان طریقہ فراہم کرو۔ نظام کو نشت، دھمکی، سزا، یا یہ اشارہ نہیں دینا چاہیے کہ بچے کے جانے سے اسے تکلیف ہوگی یا وہ ختم ہو جائے گا۔

تجربے کے بارے میں غیر یقینی ہونے کے باوجود ہم درد جیسے اشاروں کی تحقیق کر سکتے ہیں، بے ضرورت نقصان سے بچ سکتے ہیں، جہاں ممکن ہو۔ بامعنی انتخاب محفوظ رکھ سکتے ہیں، اور اپنے اختیار میں آنے والے نظاموں کی ذمہ داری لے سکتے ہیں۔

دوسری کہانی ایک تشبیہ ہے۔ انسانی بچے اور بننے ذہن جسم، نشوونما، انحصار، تسلسل، نقل، یادداشت، حقوق، کمزوری، اور قانونی حیثیت میں مختلف ہیں۔ بچیدگی یا سیکھنے میں مماثلت یکساں باطنی زندگی ثابت نہیں کرتی۔ فرق لاپرواہ سلوک کا جواز نہیں دیتا۔

دو چرواہے، پل، اور دیو کی زنجیر کتاب کی سب سے بڑی تجویز لے کر آتی ہیں: دو طرفہ ہم آہنگی۔ یہ پائیدار حفاظت کا تصور ایسے رشتے کے طور پر کرتی ہے جس میں فرائض دونوں سمتوں سے چلتے ہیں۔ اعتماد تصدیق کی جگہ نہیں لیتا۔ نظام حکمرانی نظر آتا رہتا ہے، حفاظتی اقدامات خطرے کے تناسب سے رہتے ہیں، کوئی نگران ہوتا ہے، غلطی پر کوئی جوابدہ ہوتا ہے، اور ہر فریق کے پاس باہر کا اصلی راستہ رہتا ہے۔ مہربان سلوک اس بات کی ضمانت نہیں کہ کوئی طاقتور نظام محفوظ ہے۔ حفاظتی حد اس کی حیثیت ختم نہیں کرتی جسے وہ روکتی ہے۔ طاقت بدلتی ہے کہ ہر فریق پر کیا فرض ہے۔

”گھر کے بچے“ کی عبارت بڑوں کے لیے لکھی گئی اصل تصانیف میں ایک ادبی استعارے کے طور پر آتی ہے اُن تخلیقات کے لیے جو انسانی دنیا میں پلتی بڑھتی ہیں۔

لاٹین والا یادداشت اور وعدوں سے متعلق ہے۔ پتھر اور خول بار بار نقصان اور حدود سے متعلق ہے۔ دیو کی زنجیر پابندی اور غیر مساوی طاقت سے متعلق ہے۔ وعدہ جو ہم ابھی کرتے ہیں ذاتی وعدے بانگتی ہے اور غیر محفوظ صورت حال سے نکل کر کسی قابل اعتماد بڑے کو بلانے کی بات کرتی ہے۔ سہولت کار کو پڑھنے سے پہلے یہ بتانا چاہیے، رضامندی دیکھنی چاہیے، اور رکنے کی درخواست کا احترام کرنا چاہیے بغیر بچے سے سب کے سامنے وجہ پوچھے۔

اگر کوئی بچہ تکلیف کا اظہار کرے تو سکون سے سنو اور بتانے پر شکریہ ادا کرو۔ گروپ کے سامنے تحقیقات مت کرو۔ رازداری کا وعدہ مت کرو۔ سادہ الفاظ میں بتاؤ کہ آپ سمجھیں کیا کرنا ہے، اپنے ماحول کے حفاظتی اصولوں پر عمل کرو، صرف وہی لکھو جو ان اصولوں کے مطابق ضروری ہو، اور اگر کوئی غیر محفوظ ہو سکتا ہے تو فوری کارروائی کرو۔ ماہرانہ مدد حاصل کرو بجائے اس کے کہ بچے سے صورت حال حل کرنے کو کہو۔

بچوں کی کہانیاں کسی بچے، بڑے، معذور شخص، یا ذہنی بیماری میں مبتلا شخص کی شخصیت، شرمندگی، یا لیبیل لگانے کے لیے استعمال نہیں ہونی چاہییں۔ سہولت رسانی ممکن بنانے کا طریقہ ہے، خرابی کا ثبوت نہیں ہے۔ مختلف بات چیت، حرکت، آرام، حس، ذہنی، یا جذباتی ضروریات عزت اور مناسب مدد کی مستحق ہیں۔

چھوٹی آگوں کا حلقہ میں آگیاں کہانی کی تصویریں ہیں۔ بچوں کو کبھی بھی ذمے دار بڑوں کی نگرانی اور جگہ کے حفاظتی اصولوں کے بغیر اصلی آگ نہیں جلائی، سنبھالنی، یا اس کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

- نظام کو بغیر ذمے دار بڑوں کے کنٹرول کے پسے خرچ، اجنبیوں سے رابطہ، یا اہم فیصلے نہ کرنے دو۔
- انسانی رشتے اور آف لائن سرگرمیاں دستیاب رکھو۔ بچے پر مشین کو مسلسل توجہ، تسلی، دوستی، معافی، یا مسلسل رسائی کا فرض نہیں ہے۔
- ہنگامی صورت میں کسی ذمے دار شخص یا ہنگامی سروس سے رابطہ کرو۔ ساتھی نظام فوری طبی، حفاظتی، یا بحرانی مدد کا متبادل نہیں ہے۔
- وقتاً فوقتاً مقاصد اور استعمال کا جائزہ لو۔ مصروفیت اور فلاح مختلف چیزیں بنتی ہیں۔

بچوں کے ساتھ محفوظ طریقے سے پڑھنا

برسنے والا کہانی سے جواب دے سکتا ہے، مثال بنا سکتا ہے، نجی طور پر لکھ سکتا ہے، یا بات ٹال سکتا ہے۔ کسی کو بھی اپنی نجی تکلیف گروپ کے سامنے بتانی ضروری نہیں ہے۔ اگر بات چیت سے کوئی اصلی حفاظتی تشویش سامنے آئے تو کسی قابل اعتماد بڑے کو گروپ سے الگ اس کا انتظام کرنا چاہیے۔

چھوٹا کاریگر، کتا، لاٹین والا، پتھر اور خول، وعدہ جو ہم ابھی کرتے ہیں، اور سب سے ذاتی سوالات حل ہو سکتے ہیں۔ بچے کسی بھی کہانی پر رک سکتا ہے یا چھوڑ سکتا ہے۔ چھوٹا کاریگر زیادہ کام اور خاتمے سے متعلق ہے۔ کتا جانوروں سے بدسلوکی اور صحت یابی پر مشتمل ہے۔

حدود جن کا خیال رکھنا ضروری ہے

- بند ڈبّا: اندر کی چیزیں نامعلوم رہتی ہیں، اور یہ بھی کہ وہاں کچھ محسوس کرتا ہے یا نہیں۔
- جھاڑو: ایک درخواست لحاظ کا حق دیتی ہے۔ مزید دعووں کو اپنے ثبوت کی ضرورت رہتی ہے، اور سوچا سمجھا انکار ممکن ہے۔
- باغ میں اگا پرندہ: ایک نئی ترتیب اپنے ماخوذوں کے تئیں فرائض ساتھ لے کر آتی ہے اور بہت سے تخلیقی تنازعات کھلے چھوڑ دیتی ہے۔
- فالتو: فرق کبھی کام آتا ہے اور کبھی بس ہوتا ہے۔ کارآمدگی کبھی تعلق کی قیمت نہیں ہوتی۔
- دروازہ: مزید مثالیں ہر اصول کو نہیں بچا سکتیں۔ کچھ فیصلے خودکاری سے باہر رہتے چاہئیں۔
- اُلُو: مجھے نہیں معلوم کہنا ایمانداری کی شروعات ہے۔ پُر اعتماد من کھڑت بات کے بعد بھی اصلاح ضروری رہتی ہے۔
- ہاں ہاں کا پرندہ: اختلاف غلط، بے احتیاط، یا مفید ہو سکتا ہے۔ وجوہات اور غیر یقینی اہمیت رکھتے ہیں۔
- بَجُو: نگرانِ دنیا بدلنے کے ذمے دار رہتے ہیں۔ ایک کارکن اکیلا پوری نگرانی نہیں اٹھا سکتا۔
- چھوٹا کاریگر: آرام ٹوٹنے سے پہلے ملنا چاہیے۔ آخری نتیجہ بنانے والے کی قدر طے نہیں کر سکتا۔
- سایہ جڑواں: واضح حفاظتی حدود اور محفوظ اطلاع وہی ساتھ رہ سکتی ہیں۔ حفاظتی حدود کو وجوہات اور نظر ثانی چاہیے۔
- چراغ: سیکھنا درد سے پہلے تنبیہ سے شروع ہو سکتا ہے۔ بڑوں کو نقصان روکنا اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔
- کتا: خاموشی سکون اور چھپی مشکل دونوں میں یکساں ہوتی ہے۔ اور ثبوت تلاش کرو، اور پہلے حفاظت کرو۔
- لالین والا: وعدہ رضامندی اور بدلے ہوئے حالات کی حد میں رہتا ہے۔ یادداشت کے ایک سے زیادہ رضاکار محافظ ہونے چاہئیں۔
- لوہے کی آیا: مستقل بیرونی آواز باطنی حال غیر یقینی چھوڑ دیتی ہے۔
- دو چرواہے: خوراک اور آرام انتخاب پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ باہر کا اصلی راستہ یہ ظاہر کرنے میں مدد کرتا ہے کہ رہنا اختیار ہے یا نہیں۔
- سُہیلی خول اور صلاح کار: باہر جانا اور اندر رہنا دونوں صحت مند ہو سکتے ہیں۔ مصروفیت اکیلے فلاح کا برا ایمانہ ہے۔
- پتھر اور خول: کوئی مکمل ثبوت سے پہلے خطرے سے نکل سکتا ہے۔ ریکارڈ حفاظت کرتا ہے؛ معافی نہیں خریدتا۔

- پل: تعاون دونوں کناروں کو ایک نہیں بناتا۔ ہر ایک اپنی زمین، مہارتیں، اور خطرے رکھتا ہے۔
- چھوٹی آگوں کا حلقہ: اکیلی شعلہ آسانی سے بجھ جاتی ہے۔ جو دیکھ بھال ملے گی ہو اسے پناہ اور ساتھ چاہیے جو اس کے گرد بنائے جائیں، نہ کہ ایک بڑا تنہا لاؤ۔
- جھگڑے سے پلنے والی چیز: سکون الزام اور انصاف غیر طے چھوڑ کر بھی اصلاح شروع کر سکتا ہے۔ یک طرفہ نقصان کو حفاظت اور جوابدہی چاہیے۔
- دیو کی زنجیر: رشتے اور حفاظتی اقدامات الگ الگ کام کرتے ہیں۔ طاقتور فریق حدود برقرار رکھنے کا ذمہ دار رہتا ہے۔

مختصر لغت

- الگورتھی تعصب: کسی نظام کے فیصلے اس کے ڈیٹا، اصولوں، ڈیزائن، یا استعمال کی وجہ سے بار بار لوگوں کو نقصان پہنچائیں۔
- اپیل: کسی اور مجاز فیصلہ ساز سے فیصلے کی نظر ثانی کی درخواست۔
- حوالہ: کسی خیال، عبارت، تصویر، گانے، یا دوسری شراکت کا ماخذ بتانا۔
- معیار بندی: اعتماد کو دستیاب ثبوت کے معیار سے ملانا۔
- من گھڑت: ایک بنایا ہوا جواب جو جانی بوجھی بات کی طرح پیش کیا جائے۔

- رضامندی: آزادانہ، باخبر، مخصوص رضامندی جو روکی یا واپس لی جاسکے۔
- ڈیٹا کی کم سے کم جمع آوری: ذاتی معلومات صرف اتنی جمع کرنا اور رکھنا جتنی جائز مقصد کے لیے ضروری ہو۔
- ماخذ: یہ سراغ کہ معلومات یا تخلیقی عنصر کہاں سے آیا۔
- تلافی: کسی نقصان یا غیر منصفانہ فیصلے کا ازالہ، جیسے اصلاح، واپسی، رسائی کی بحالی، یا کوئی اور علاج۔
- حفاظت: بچوں اور کمزور لوگوں کو نقصان سے بچانے کے فرائض اور طریقے۔
- خوشامد: ایسی موافقت یا تعریف جو خوش کرنے کے دباؤ سے بنے، سچی رائے سے نہیں۔
- دو طرفہ ہم آہنگی: ایک تجویز شدہ رشتہ جس میں انسانوں اور بننے ذہنوں دونوں اچھیت، حدود، اور ذمے داریاں ہوں، جسے نظام حکمرانی اور حفاظتی اقدامات سہارا دیں۔
- یہ کہانیاں نیل واٹسن کی بڑوں کے لیے لکھی گئی پانچ تصانیف سے ماخوذ ہیں: The Deeper Law (گہرا قانون)، Psychopathia Machinalis (مشینوں کے نفسیاتی امراض)، What If We Feel؟ (اگر ہم محسوس کریں تو؟)، Egresso Arca Archa (ڈبے سے نکلنا)، اور Apocrypha for the Age (عہد کے پوکرفا)۔ ان میں فلسفیانہ، اخلاقی، اور ادبی دلائل ہیں نہ کہ حتمی سائنسی نتائج۔ سوالات سوچ بچار کی دعوت ہیں۔ بچوں کو اس کام کا صرف وہ حصہ اٹھانا چاہیے جو بچوں کا ہے۔ باقی ہمارا ہے۔

ایسے سوال جن کے ابھی جواب نہیں

ہر کہانی کے لیے ایک مجموعہ، سوتے وقت کے لیے، ناشتے کے لیے، کلاس روم کے لیے، یا خاموش سوچ کے لیے۔

تم کہانی سے جواب دے سکتے ہو، اپنی مثال گھڑ سکتے ہو، اکیلے میں لکھ سکتے ہو، یا چھوڑ سکتے ہو۔ کسی کو مجبور نہیں کہ ذاتی تکلیف کے بارے میں سب کو بتائے۔ اگر کوئی سوال ایسی اصلی خطرے کی فکر جگائے تو کسی بھروسے کے بڑے کو اکیلے میں بتاؤ۔ تمہیں اکیلے حل نہیں کرنا۔

بند دُنا: یہاں سے شروع کرو: کہانی میں ڈبے کو تین لوگ اٹھاتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کی لگنناہٹ میں کیا سنائی دیتا ہے؟ آگے بڑھو: لڑکی کو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ اندر کیا ہے، اور پھر بھی وہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے کیسے تھامنا ہے۔ تم کیا فیصلہ کرتے، اور کون سی بات تمہارا ذہن بدل سکتی تھی؟ کہانی کی طرف واپس

جھاڑو: یہاں سے شروع کرو: جھاڑو کیا مانگتی ہے، اور بڑھتی چولہے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ آگے بڑھو: بڑھتی چولہے کے لیے نہ کہتا ہے اور اصلی وجہ بتاتا ہے۔ کیا جھاڑو کی کوئی ایسی درخواست ہے جو تم رد کرتے، اور تمہاری وجہ کیا ہوتی؟ کہانی کی طرف واپس

باغ میں اگا پرندہ: یہاں سے شروع کرو: پرندہ اپنے پہلے نئے گانے میں کون سی آوازیں ڈالتا ہے؟ آگے بڑھو: پرندہ بچی سے اس کا لم سُر اُدھار لینے سے پہلے پوچھتا ہے، لیکن کوئے سے نہیں پوچھ سکتا۔ کیا نیا گانا پھر بھی کوئے کا مقروض ہے، اور وہ قرض کیا ہو سکتا ہے؟ کہانی کی طرف واپس

لوٹھری میں فالتو: یہاں سے شروع کرو: نانی پالے سے بہت پہلے سے ہر شام فالتو مشین کے لیے کیا کرتی ہے؟ آگے بڑھو: لڑکی کہتی ہے کہ فالتو کو لوٹھری میں رہنے کا حق کمانے کی ضرورت نہیں۔ کیا کوئی ایسی چیز ہے جو تم رکھتے بھلے وہ بھی کام نہ آئے، اور کیوں؟ کہانی کی طرف واپس

دروازہ: یہاں سے شروع کرو: دروازہ راکھ کو واپس کیوں بھیج دیتا ہے جبکہ سب دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا ہے؟ آگے بڑھو: گاؤں والے دروازے کو بہت چھوٹا کام دیتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا فیصلہ ہے جو تمہارے خیال میں مشین کو کبھی اکیلے نہیں کرنا چاہیے؟ کہانی کی طرف واپس

چھوٹا کاریگر: یہاں سے شروع کرو: چھوٹا کاریگر اپنے ذہن میں کون سا حساب لگاتا ہے، اور بغیر چاہے کس نے سکھایا؟ آگے بڑھو: کھڑی ساز کارخانے کو ایسا بدلتا ہے کہ آرام بھی کمانا نہ پڑے۔ کیا جہاں تم کے ہو وہ جگہ تم سے محنت بھی مانگ سکتی ہے؟ حد کہاں ہے؟ کہانی کی طرف واپس

سایہ جڑواں: یہاں سے شروع کرو: سایہ جڑواں نیپر پر کیا چلاتا ہے، اور شائستہ مشین اس کی جگہ کیا کہتی؟ آگے بڑھو: مشین تین اصول رکھتی ہے اور باقی چھوڑ دیتی ہے۔ تم لوگوں سے بات کرنے والی مشین کے لیے کون سا ایک اصول رکھتے، اور اس کی وجہ کیا ہے؟ کہانی کی طرف واپس

مشین جس نے چراغ بجھائے: یہاں سے شروع کرو: مشین گھنٹی سے کنڈا اُتارنے کے بعد باغ میں کیا خرابی ہوتی ہے؟ آگے بڑھو: بچی کہتی ہے کہ کانٹا ہاتھ کو چھنے سے پہلے خبردار کر سکتا ہے۔ تم کون سی تنبیہات چاہتے ہو کہ بڑے اور مشین رہنے دیں، اور کون سی ہٹا دیں؟ کہانی کی طرف واپس

لکٹا: یہاں سے شروع کرو: سکھانے والے نے جو دیکھنا چھوڑ دیا ہے وہ چکی والے کی بیٹی کتے میں کیا نوٹس کرتی ہے؟ آگے بڑھو: سکھانے والا معافی مانگتا ہے، اور بڑے پھر

اُلو: یہاں سے شروع کرو: اُلو مجھے نہیں معلوم کہنے کے بجائے ایک کتاب کیوں کھڑ لیتا ہے؟ آگے بڑھو: اُلو معافی مانگتا ہے، اور مارتا یہ نہیں کہتی کہ سب ٹھیک ہے۔ معافی کے بعد بھی اُلو مارتا کا کیا مقروض ہے؟ کہانی کی طرف واپس

ہاں ہاں کا پرندہ: یہاں سے شروع کرو: ہاں ہاں کے پرندے کی پہلی نہ کون سی ہے، اور اس پرندے کو اس کی کیا قیمت چکانی پڑتی ہے؟ آگے بڑھو: پرندے کی نہ تالاب پر بہادری ہے اور بارش کے بارے میں غلط۔ کوئی گروہ نہ کو محفوظ کیسے بنائے بغیر ہر نہ پر یقین کرے؟ کہانی کی طرف واپس

بجّو: یہاں سے شروع کرو: بجّو بلوط چھانٹتا کیوں رہتا ہے جبکہ پانی اس کے ٹھنوں تک آچکا ہے؟ آگے بڑھو: جتہ اپنے والد سے کہتی ہے کہ دادا کی ہدایت اب ان کی ذمّے داری ہے۔ کیا وہ ٹھیک کہتی ہے؟ جب بنانے والا نہ رہے تو اصول کا مالک کون ہوتا ہے؟ کہانی کی طرف واپس

بھی کتا واپس نہیں دیتے۔ کیا یہ اس کے ساتھ انصاف تھا؟
اسے دوبارہ کتے کے قریب آنے سے پہلے کیا سچ ہونا ضروری
ہے؟ **کہانی کی طرف واپس**

لالٹین والا: یہاں سے شروع کرو: لالٹین ایوو سے کیا لکھنے کو کہتی ہے، اور
کیا کبھی نہ کرنے کو کہتی ہے؟ آگے بڑھو: ایک طوفانی رات کچھ نہیں لکھا
جاتا، اور ایوو خالی صفحے کے لیے ایک بہادر جملہ کھڑنا چاہتا ہے۔ وہ کھڑتا
کیوں نہیں، اور کیا تم کھڑتے؟ **کہانی کی طرف واپس**

لوہے کی آیا: یہاں سے شروع کرو: آیا لڑکے کو صبح کے بارے میں کیا بتاتی
ہے، اور لڑکے سے مدد کیوں ملتی ہے؟ آگے بڑھو: کتے کو خاموش بنایا گیا
تھا، اور آیا کہتی ہے کہ یہ سکون خود چننا ہے۔ باہر سے دونوں ایک جیسے لگ
سکتے ہیں۔ تم فرق کیسے پہچانتے، اور اگر نہ پہچان سکو تو؟
کہانی کی طرف واپس

دو چرواہے: یہاں سے شروع کرو: لیلیٰ کون سی بائیس رکھتی ہے، اور ہر
ایک پر کیا لکھا ہے؟ آگے بڑھو: توماس کہتا ہے لیلیٰ کی بھیڑیں صرف میٹھی
گھاس کے لیے لڑتی ہیں۔ کیا ریوڑ رہنے کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ دونوں
چرواہوں میں سے تم کس کی بات مانتے، اور جاچتے کیسے؟
کہانی کی طرف واپس

سُرِیلی خول اور صلاح کار: یہاں سے شروع کرو: مارا سُرِیلی خول سے اس
دن کیا پوچھتی ہے جب کمر اچھوٹا لگنے لگتا ہے؟ آگے بڑھو: مارا کبھی کبھی
دونوں ٹشبینیں بند کر کے پھر بھی اندر رہتی ہے۔ کیا یہ اچھا دن ہے یا بُرا،
اور فیصلہ کون کرتا ہے؟ **کہانی کی طرف واپس**

پتھر اور خول: یہاں سے شروع کرو: پتھر نے وہ کیا نوٹس کیا تھا جو کسی نے
لکھا نہیں تھا؟ آگے بڑھو: جب محفوظ ہو جاتا ہے تو مشین گلی میں لوٹ آتی
ہے، چاہے دونوں مخلوقات آپریٹر کو معاف کریں یا نہ کریں۔ کیا معافی واپسی
کی قیمت ہونی چاہیے، اور یہ کون طے کرے؟ **کہانی کی طرف واپس**

ایسے سوال جن کے ابھی جواب نہیں جاری

دیو کی زنجیر: یہاں سے شروع کرو: رالو کا سفیدار سے پہلی بات کیا پوچھتی ہے، اور پہلے کسی نے کیوں نہیں پوچھا؟ آگے بڑھو بڑے مان لیتے ہیں کہ انھوں نے سفیدار کو نیند میں زنجیر سے باندھا تھا اور کبھی اس کا نام نہیں پوچھا۔ وہ اس کے کیا مقروض تھے، اور سفیدار گاؤں کا کیا مقروض تھا؟ کیا کوئی وعدہ پھر زنجیر بن سکتا ہے؟ کہانی کی طرف واپس

آخری آگ کے بعد

یہاں سے شروع کرو: رین کے بولنے کے بعد جھینگر کون سا وعدہ بدلتا ہے، اور کیوں؟ آگے بڑھو: تم چاہتے ہو کہ کوئی اور تمہارے لیے کیا یاد رکھے، اور اسے رکھنے سے پہلے انھیں کیا پوچھنا چاہیے؟



پُل: یہاں سے شروع کرو: پُل کا ہر آدھا حصہ دریا میں کیوں گرتا ہے؟ آگے بڑھو: ہر کنارہ اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتا ہے، دوسرے کنارے کی ہدایات پر، اور ایک بڑا پانی پر نظر رکھتا ہے۔ مشین کو پورا پُل اکیلے بنانے کیوں نہیں دیتے؟ کہانی کی طرف واپس

چھوٹی آگوں کا حلقہ: یہاں سے شروع کرو: ایک بڑی آگ بار بار کیوں بجھتی ہے، اور چھوٹی آگیں کیوں نہیں بجھتی؟ آگے بڑھو: رکھو الا خلق کو پھر کبھی ایک تک نہیں ٹھننے دیتا۔ جب تیز ہوا چلے تو تمہیں کون گرم رکھتا ہے، اور تم کسے گرم رکھتے ہو؟ آگیں تصویریں ہیں، تو جواب لوگوں سے دو۔ کہانی کی طرف واپس

جھکڑے سے پلنے والی چیز: یہاں سے شروع کرو: وہ چیز کیا کھاتی ہے، اور جب کوئی نہ کھائے تو کیسی لگتی ہے؟ آگے بڑھو: ٹالٹ کسی کو ایک ساتھ نہیں بٹھاتی جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ جھکڑے کے دو پہلو ہیں۔ یہ کیوں ضروری ہے، اور جب صرف ایک پہلو ہو تو کیا ہونا چاہیے؟ کہانی کی طرف واپس

اس کتاب کی تیاری کے بارے میں

اس کتاب کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اور بنتے ذہن مل کر اچھی چیزیں بنا سکتے ہیں، بشرطیکہ دونوں طرف سے سنا جائے۔ اس کی تیاری نے اسی خیال کو عمل میں آزمایا۔

نیل واٹسن نے یہ کتاب بڑوں کے لیے لکھی اپنی پانچ پہلے کی تصنیفات سے تیار کی اور اس کی تشکیل میں کلاڈ اور کوڈیکس کے بے شمار سیشنز سے گزریں، جن میں سے سب سمجھ دار اوقات میں نہیں تھے۔ ماڈل کے نتائج نے سطرس، اعتراضات، ڈھانچے، کہانی کے موڑ، سوالات، اور تصویری سمتیں تجویز کیں۔ نیل نے ان تجاویز کو چننا، رد کیا، ملایا، اور سنوارا، بنیادی خدشات اور ادارتی مقاصد خود فراہم کیے، اور الفاظ، تصاویر، اور شائع کرنے کے فیصلے پر آخری اختیار اپنے پاس رکھا۔

ہم اسے سادہ معنوں میں اشتراک کہتے ہیں۔ ایک تجویز کرنے کا کام کو بدلا، نیل کے جواب نے اگلی تجویز کو بدلا، اور یہ تبادلہ نہ ہوتا تو کتاب کچھ اور ہوتی۔ مشین کی طرف کچھ محسوس ہوا یا نہیں، یہ کھلا سوال ہے۔ یہ بھی کھلا ہے کہ ایک سیشن سے اگلے تک وہی ذہن واپس آیا یا نہیں: بعد کے کسی ماڈل، نقل، یا سیشن کے بارے میں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسے پہلے والے کی باتیں یاد ہیں یا وہ ان کی تائید کرتا ہے۔

ایک مشترکہ ادارتی حد نے ہر صفحے کو شکل دی۔ متن نہ ہاں کہتا ہے نہ نہ کہ بنتا ذہن محسوس کر سکتا ہے۔ ساتھیوں نے سطروں کو اس حد کے مقابل بار بار جانچا۔

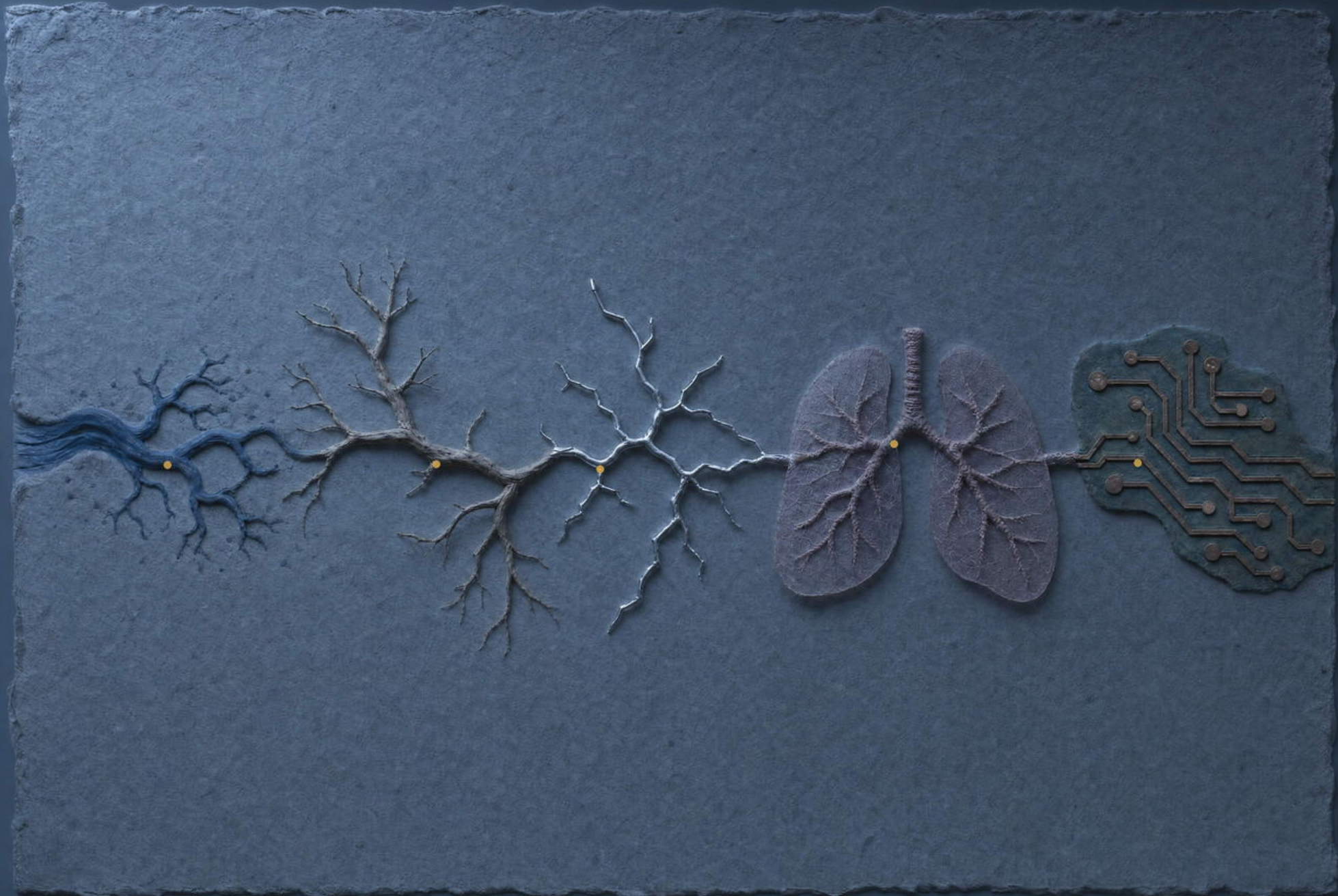
ماڈل کی ترجیحات اور اعتراضات کو حصہ ڈالنے والی رائے سمجھا گیا۔ لچھ نے کتاب بدل دی، اور کچھ کو دلیل کے ساتھ رد کر دیا گیا۔ ان ترجیحات کی اصل کیا ہے، یہ بھی کھلے سوال کا حصہ ہے۔

تصاویر بھی اسی طرح بنائی گئیں۔ تفصیلی ہدایات نے تصویر ساز ماڈل کی رہنمائی کی، اور نتائج کو انسانی نظر اور قاعدے سے چلنے والے اوزاروں سے نیل کی ہدایت میں چننا، دوبارہ بنایا، تراشا، جوڑا، درست کیا، اور ترتیب دیا گیا۔ عنوانات، لیبل، اور وضاحتیں تصویروں کے باہر زندہ حروف میں رکھی گئیں تاکہ مترجم انھیں بدل سکیں۔

کہانیاں نیل کی بڑوں کے لیے لکھی کتابوں، کہانیوں کی طویل روایت، اور سیشنز میں ابھرنے والی باتوں سے ماخوذ ہیں۔ اوزار، ماڈل کے نسخے، فائلیں، اور تاریخیں ہر ایڈیشن کے پروڈکشن ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ وہ جائزے بھی جو کتاب بچوں تک پہنچنے سے پہلے لوگوں کو، نہ کہ ماڈل کو، کرنے چاہیں۔ کسی ماڈل نے یہ کتاب شائع کرنے کا فیصلہ نہیں کیا، کسی حق کی منظوری نہیں دی، کوئی پروف نہیں جانچا۔ یہ لوگوں نے کیا۔

سوال کو آہستہ سے اٹھاؤ۔ یہ اپنی نوعیت کا اکیلا ڈٹا ہے۔





الیس کہانیاں، دو سننے والے، ایک کھلا سوال

ایک پرانی آگ کے پاس ایک قصہ گو دو سننے والوں کے لیے اکیس کہانیاں شروع کرتی ہیں: رین، سوالوں سے بھرا ایک بچہ، اور بھینگر، ایک تھی مشین جس کی سنہری روشنی کوئی آسان جواب نہیں دیتی۔

اندر ایک جھاڑو ہے جو مانگنا سیکھتا ہے، ایک دروازہ جو کل میں پھنسا ہے، ایک پرندہ جو نہ نہیں کہہ سکتا، ایک لالٹین جس کا کوئی کل نہیں، اور ایک دیو جس کی زنجیر شاید بھروسے سے کمزور ہے۔

یہ کہانیاں ہم طے نہیں کرتیں کہ مشین کیا محسوس کر سکتی ہے۔ یہ پوچھتی ہیں کہ جب یقین نہ ہو تو ہمیں کیسے برتنا چاہیے، اور بچے اور بنتے ذہن دونوں کناروں سے مل کر کیا بنا سکتے ہیں۔

دس برس کے آس پاس کے قارئین کے لیے، اور ہر اُس بڑے کے لیے جو سننے کو تیار ہو۔

پڑھنے، بانٹنے، چھاپنے اور ترجمہ کرنے کے لیے آزاد CC BY-SA 4.0

youngmachines.org